



مومن جمیل

بادکشانی سوسائٹی کام

تم ملے

مومنہ جمیل

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول "تم ملے" کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ PakSociety.com اور مصنفہ (مومنہ جمیل) محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایمیل کیڈنٹ، اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر درامہ و دراما تی تشكیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلیشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جراثمہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

آج امریکہ سے آئے ایک ڈیلیگیشن سے اسکی ضروری میٹنگ تھی۔ انھیں صحیح ہی واپس لوٹنا تھا۔ اسی لیے تمام تر ضروری امور آج ہی نبٹانے کے چکر میں آج اسے ضرورت سے ذیادہ دیر ہو گئی تھی۔ اس نے گھٹری پر نگاہ دوڑائی جورات کے سائز ہے گیارہ بجھے کا عندیہ دے رہی تھی۔ خوش قسمتی سے میٹنگ توکا میاب رہی تھی۔ مگر اسے اماں کی فلک ستارہ ہی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ جب تک وہ گھر پہنچ نہیں جاتا تھا۔ وہ سوتی تو کیا اپنی دوائیں بھی نہیں لیتی تھیں۔

اس نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی یوں بھی اسوقت سڑکوں پر ٹریک برائے نام ہی تھی۔ وندو سکرین سے پار دیکھتے جلال کے چہرے پر یک لخت حیرت و پریشانی کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔ اسکی نظر کے بالکل سامنے سرخ لہنگے میں بھر پور بناؤ سنگار کیے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی اسی کی طرف آرہی تھی۔ جلال نے بروقت بریک پر پاؤں رکھا تو چڑاہٹ کی آواز کے ساتھ گاڑی رک گئی تھی اسے بچانے کی کوشش کے باوجود وہ لڑکی اسکی کار سے ٹکرا کر ایک ہولناک چیخ فضا کے حوالے کرتی زمین بوس ہو چکی تھی۔ وہ برق رفتاری سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کی جانب لپکا تھا۔ اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اس پر جھکا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی زرد روشنی میں اسکا میک اپ سے مبراچہرہ کسی چاند ہی طرح چمکتا جلال کی آنکھوں کو تحریر میں بنتلا کر گیا تھا۔ شاید وہ ایکسٹریم کے خوف سے ہی بیہوش ہو گئی تھی۔ اس نے گاڑی سے پانی کی بوتل نکال کر اس پر پانی سے چھیٹے مارے تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں خود پر جھکے انجان آدمی پر نظر پڑی تو ایک دم زور سے چلانے لگی۔

اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے کسی سے نہ ڈرنے والے جلال کے پسینے منٹوں ہی میں چھڑوا دیئے تھے۔ اس وقت انھیں یوں اگر کوئی دیکھ لیتا تو یقیناً کوئی بڑی مصیبت ہو سکتی تھی۔

جلال نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر مضبوطی سے جما کر اسے اپنے جلالی تیوروں سے یوں گھورا کے وہ جدوجہد کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا بھول بھال سہم کر اسے پڑ پڑ دیکھنے لگی۔

"تمہارا ایکسٹریم میری گاڑی سے ہونے والا تھا۔ مگر عین وقت پر میں نے بریک لگادی تھی۔ اس لیے تمہاری خودکشی کی کوشش ناکام ہو گئی ہے۔ تم بس بیہوش ہو گئی تھی۔ اور میں تمہاری جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔" بات کرتے ہوئے اس کی

حسین خوبصورت ساحر آنکھوں میں دیکھنا جلال کو مشکل ترین لگ رہا تھا۔ اور اب پاگلوں کی طرح چلانا مت۔ کہہ کر جلال نے ہاتھ ہٹایا تو اس لڑکی نے گھر انسان خارج کیا جلال جانے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس لڑکی نے بھی اس کی تقليد کی مگر یہ کیا وہ عجیب آدمی تھا۔ بناءیک مظلوم لڑکی کی داستان غم سننے بنائی دادرسائی کے وہ تو اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

قبل اس کے کہ جلال گاڑی سٹارٹ کرتا وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول اس پر بڑی بے تکلفی سے نشست افروز ہوتی اس کی جانب رخ کیے بڑی ہی معمومیت سے اسے تکنے لگی۔

"آپ مجھ سے پوچھیں گے نہیں۔ میں یہاں آدھی رات کو اکیلی بیچاری کیسے۔" جلال کی آنکھوں کو اپنے دو آتشہ حسن سے خیرہ کرتی وہ لڑکی سراپا سوال بنی اس سے پوچھ رہی تھی۔

جلال کو چہرے پر سخت تاثرات سجانا مشکل ترین کام لگا۔

"جی نہیں میں آپ سے ایسا کچھ نہیں پوچھوں گا البتہ میں آپ سے یہ ضرور پوچھوں گا آپ میری گاڑی میں کیا کر رہی ہیں۔" سوال کے بد لے سوال ہوا تھا۔ جلال کی حیرت و سنجیدگی ایک فطری عمل تھا۔ کوئی بھی انجان لڑکی یوں آدھی رات کو بنی سنوری اس کی گاڑی میں آکر خود سے بیٹھ گئی تھی۔

"ارے نہایت ہی اکڑو انسان ہیں آپ اچھا خیر ایسا بھی نہیں کہ آپ جیسے پہلے انسان سے واسطہ پڑا ہو میرا۔" وہ شانے پر ڈھلکے بال ایک جھٹکے سے کر پر منتقل کرتے ہوئے ایک اداو سمجھداری سے بولی تھی۔

جلال نے جواب میں جن مشکوک نگاہوں سے اسکا جائزہ لیا وہ سمجھ کر لا حول پڑھ کر رہ گئی۔

"عجیب بد دماغ آدمی ہیں آپ ارے بھئی سٹار پلیس کے ڈراموں کی بات کر رہی ہوں ہر ایک ہیر و اکڑو سر پھرائی ہوتا ہے۔ آپ بھی ان جیسی ہی منہ بولتی تصویر لگ رہے ہیں۔ اب آپ پوچھیں گے تو بالکل نہیں مجھ سے میں کون ہوں تو میں خود ہی بتا دیتی ہوں میرا نام زویا ہے اپنے والدین کے بارے میں میں آپکو کیا بتاوں مجھے تو خود اُنکے بارے میں کچھ نہیں پتا بچپن یتیم خانے میں گزارا۔ جب چڑیل نما عورت نے مجھے گود لے لیا شروع میں لاڈ پیار سا کرتی ہی تھی۔ پھر جب اس کو خدا نے اپنی اولاد دی تو کجھ نے مجھ پر ظلم ستم ڈھانے شروع کر دیئے خیراب زیادہ تفصیل کیا ہی بتانی بس جب میں جوان ہوئی بڑھیا کو پیسوں کو لا چڑھ چڑھ آیا پھر کیا میری شادی اس نے ---"

"پھر اس نے تمہاری شادی پیسوں کے بد لے میں ایک نہایت برے انسان سے طے کردی لیکن عین موقع پر تم وہاں سے بھاگ آئیں۔" اس سے پہلے کی وہ مزید بولتی اور بولتی ہی چلی جاتی جلال نے اسے ٹوک کر خود ہی جملہ مکمل کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔

"ہاں کوئی ایسا ویسا برائیک نمبر کا نکھٹو نکما آوارہ اور دوبار کارندُوا آدمی تھا۔ لیکن تمہیں کیسے پہتے چلے یہ تو میں نے بتایا ہی

"نہیں۔" وہ اپنی دھن میں بولتی چونک کر ٹھوڑی پر بڑی بوڑھیوں کی طرح انگلی جمائے جلال کو دیکھنے لگی۔ "وہ کیا ہے۔ ایک آدھ مرتبہ ستار پلس کی کسی ہیر و کین پر توجہ پڑ گئی تھی۔" جلال دانت کچکچا تا حاضر جوابی کا ثبوت دے گیا تو وہ بر امنانے کی بجائے اللامتا ترد کھائی دی۔

"اس کا مطلب ہے رشیدہ بواٹھیک کہتی تھیں۔ میں سچ میں ہی سینڈر یلا کانیاروپ ہوں اور آپ میرے شہزادہ ماں۔"

اس بات پر جلال ابھی ہونق بننا سکی شکل دیکھتی رہا تھا کہ وہ مزید بولی۔

"اس کا مطلب ہے۔ ابھی کہیں نہ کہیں حادثاتی طور پر ہماری شادی و قوع پذیر ہونے والی ہے۔"

"وات؟" جلال کی برداشت اسکی سماعت جواب دے گئی تھی۔ وہ دبی دبی آواز میں احتجاجی طور پر چلایا۔

"اللہ بالکل ہی آپ شلوک اگنی ہوتی کی طرح دھاڑتے ہیں۔" وہ کان دبا کر بولی۔

"شلوک اگنی ہوتی کون" وہ اسکو گاڑی سے نکل جانے کو بولنے والا تھا۔ مگر اس کی اگلی بات نے پھر اسے الجھایا۔

"ارے وہی ستار پلس کا ہیر و۔" وہ اسکی یادداشت پر اظہار افسوس کرتی بولی وہ صبر کا گھونٹ بھر کر رہ گیا۔

"دیکھیں بی بی میں نے آپ کی کہانی سن بھی لی اظہار افسوس بھی کر دیا اس سے ذیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا آپ کے لیے

آپ فوراً سے پہلے میری گاڑی سے نکل جائیئے۔"

"دیکھیں مسٹر ہیر و سب باتیں ایک طرف مگر آپ یہ مت سمجھیئے گا کہ میں ستار پلس کی ستری ساوتھی ہیر و کین کی طرح چپ چاپ اپنی بے عزتی برداشت کروں گی میں بہت ٹیڑھی کھیر ہوں نج کے رہیئے گا ہاں میں بتا رہی ہوں۔" وہ انگلی اٹھا کر نخوت سے اسے وارن کرنے لگی جلال نے آنکھیں بیچ کر ایک لمبا سا سانس لیا تھا۔ ان چاہی خوبصورت بلا اس کے پیچے پڑ گئی تھی۔ اب اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے تخلی سے کام لینا تھا۔

"دیکھیں محترمہ مہربانی کر کے آپ پلیز میری گاڑی سے اتر جائیئے ورنہ مجھے پولیس کو بلانا پڑے گا۔" وہ انتہائی ٹھہرے ہوئے لجھے میں اسے دھمکا رہا تھا۔ مگر سامنے والی پر رتی برابر اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

"میں پولیس ولیس سے نہیں ڈرتی مجھے تو آپ سے بس لفت چاہیئے۔" اس نے بڑے آرام سے فرمائش کی تو جلال کی آنکھیں ایک بار پھر پھیلیں۔

"دیکھیں بی بی میں اس قسم کا انسان بالکل نہیں ہوں۔" اسکا یہ کہنا تھا۔ کہ زویا بھڑک اٹھی۔

"ارے آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے میں اس قسم کی لڑکی ہوں ہیں غصب خدا کا ایک شریف بھولی بھالی لڑکی پر الزام لگاتے شرم نہیں آتی آپکو اپنا پورا بائیوڈیٹا بتا دیا پھر بھی ایک غلیظ بات۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تڑخ کر بولی آنکھوں

میں سرخ شرارے سے بھر آئے تھے۔

چند ہی منٹوں میں جلال نے اس کے کئی ہی روپ دیکھ لیے تھے۔ ہر ادا قاتلانہ تھی۔ خوف سے سہم جانا ڈھٹائی کی حد کر دکھانا اور پھر مشتعل ہو جانا پل پل روپ بدلتی وہ اپر اجلال کو بڑی ہی خوبصورت لگی تھی۔ مگر محض خوبصورتی کی بنیاد پر وہ یوں ہی کسی بھی لڑکی سے فری ہر گز نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایک مضبوط کردار کا شریف آدمی تھا۔ کسی بھی لڑکی کی چار اداؤں پر اپنی مردانگی ہار نہیں سکتا تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں۔" بلاخرا اس نے بلاکی ضدی زویا کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے اسکی مرضی دریافت کی "پیدل بھاگ بھاگ کر پاؤں شل ہو گئے ہیں میرے اپنی سہیلی کے گھر تک کی لفت چاہیئے مجھے۔" منه بنا کر کہا گیا گویا جلال پر احسان کیا جا رہا ہو جلال نے ایک گھری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

"ایڈر لیں بتاو۔" دو منٹ بعد اس نے پوچھا

"نا ظم آباد چلیں وہ اسوقت کر اپنی ڈیفنس میں موجود تھے۔ مگر اب مجبوری تھی۔ سو جلال کو ناظم آباد کی طرف رخ کرتے ہی بنی مگر تھوڑا ہی آگے پہنچنے پر پولیس کا ناکہ دکھائی دیا مجبوراً اس نے گاڑی روک دی۔

"کون ہوا وئے تم دونوں۔" ادھیر عمر پولیس انسپکٹر جلال کی کھڑکی کی جانب جھکا ان کو بغور دیکھ کر موخموں کو تاو دیتا تفتیشی سلسلے کا آغاز کر رہا تھا۔

"میرا نام جلال احمد آفندی ہے۔ اور یہ میری"

"میں ان کی بیوی ہوں" اس سے پہلے کے جلال بات پوری کرتا زویا نے جھٹ کہا۔

جلال اس خونخواہ کے رشتے پر تلملا کر رہ گیا

"نہیں یہ میری بیوی نہیں ہے۔" غصے میں وہ بنا تا جس سوچ ہی بول گیا تھا۔ پولیس والا تو ان کی جان کو آنے لگا "تم نے لڑکی بھگائی ہے۔" تمہیں تھانے تو چلنا ہی پڑے گا کوئی چوتھی بار حوالدار صاحب نے اپنا فیصلہ سنایا تو تنگ آکر جلال نے آئی ڈی کار ڈکھانے کی خاطر بٹوے کی تلاش میں جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ دونوں اس وقت پولیس کی کڑی نگرانی میں ان کے گھیرے میں بیچ سڑک کھڑے ہوئے تھے۔ والٹ اسکی جیب میں نہیں تھا۔ بری قسمت وہ واپسی کی جلدی میں والٹ شاید آفس میں ہی بھول آیا تھا۔ مگر موبائل اس کے پاس تھا۔ صفائیاں دے دے کر تھک چکا تو کوئی نمبر ملانے لگا مگر حوالدار نے گویا آج انھیں بناجر سبق سکھانے کا منصوبہ بنایا لیا تھا۔ اسکا موبائل بھی چھین لیا باقی با تیں کا کاجی تھانے چل کر ہوں گی اور پھر سچ میں باقی با تیں تھانے ہی میں ہوئیں تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی جس بندے سے لڑکیوں کی شادی ہو رہی ہوتی ہے۔ اس سے انھیں آخر کیا تکلیف ہوتی ہے ہیں سمجھائیں نہ آج مجھے کڑیے۔"

اب منظر کچھ یوں تھا کہ ہتھکڑی پہنے زوار دوساروں کی نگرانی میں سامنے ہی کھڑا تھا۔ جبکہ حوالدار سامنے اپنی کرسی پر بیٹھا میر کی دوسری جانب پڑی کرسی پر خاصے آرام سے بیٹھی زویا سے مخاطب تھا۔

"چاچا جی لڑکیاں نہ پیار کی زبان سمجھتی ہیں۔" زویانے کہنا شروع ہی کیا تھا۔ کہ حوالدار صاحب نے تڑپ کر اسے ٹوکا۔ "چاچا جی نہیں کہنا پتھر جی چاچا جی بالکل نہیں کہنا مر کے ابھی میری عمر چالیس سال ہوئی ہے۔ چالیس بھی اس لیے کے داخلے کے وقت ان پڑھ دادا جی نے دو سال ذیادہ لکھوا دیئے تھے۔"

"اچھا تو پھر پا جی چلے گا۔" زویا تو یوں تھی گویا جمیل اس کے ابا جی کا گھر ہو۔

"تیرے منہ سے چنگا تو نہیں لگتا پر کوئی نہ چل پا جی کہہ لے کڑیے" حوالدار صاحب نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے اسے اجازت دی۔

"وہ بھی اکثر ہی پا جی کہہ دیا کرتی تھی۔ میں سمجھتا رہا شرما تی ہے۔ پر بیڑا ترنی کا کسی کے پکر چل رہا تھا۔" وہ آہ بھر کر بولتا زویا کو متوجس کر گیا۔

"وہ کون پا جی۔" اس نے بنادری کیے پوچھ بھی لیا

"وہی نصیبین میرے نصیب ساڑ کے سوا کر گئی (جلاء کر خاک کر گئی)"

"منگ تھی۔ میری پر عین نکاح کے موقع پر اطلاع آئی کے بھاگ نکلی ہے۔ پندرہ سال ہو گئے آج تک خبر نہیں ملی شودی کئی کہاں۔" آہ بھرتے ہوئے اپنے دکھوں کی پوٹلی زویا کے سامنے انڈیلی گئی تو اسے تاسف سے سر دائیں باعین گھما یا۔

ایک بیچارہ جلال تھا۔ چپ چاپ کھڑا سارا تماشہ دیکھنے پر مجبور۔ "کیا مصیبت ہے یار" وہ جھلا کر رہ گیا وہ تو گھر پہنچنے کی جلدی میں تھا۔ یہ بلا وجہ کی مصیبت میں وہ خوا مخواہ ہی پھنس گیا تھا۔ اوپر سے اس نے زویا کو جھوٹا ثابت کیا تھا۔ تو وہ بھی کسی قسم کی مدد کو تیار نہیں تھی۔ ذاتی چوت کا بدلہ حوالدار صاحب شاید نہیں یقیناً زوار سے لے رہے تھے۔ زویا ان کے نزدیک شریف معصوم بھومنی بھائی لڑکی تھی۔ جسے جلال نے اپنی چالاکی مکاری سے اپنے جال میں پھانس کر گھر سے بھگا لیا تھا۔ اور اب اس سے کسی بھی قسم کے رشتے سے انکاری تھا۔ اسی لیے دونوں کو وہ الگ الگ پروٹوکول سے نواز رہے تھے۔ اس تفریق پر جلال کو لگ رہا تھا۔ گویا وہ شہر کا اشتہاری مجرم ہو جسے زویانے رنگ ہاتھوں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا ہو۔

"براہوا پا جی آپ کے ساتھ اچھے خاصے دکھتے ہیں آپ نصیبین کو بھاگنا نہیں چاہیئے تھا۔ پر ایک بات ہے میرا قصہ تھوڑا

الگ ہے۔ میری جس سے شادی ہو رہی تھی۔ نہ وہ ایک عمر رسیدہ چر سی تھا۔ ”میرا بھاگنا بالکل درست تھا۔ زویانے لگے ہاتھوں صفائی پیش کی تھی۔“

”آہو منڈا تو تو نے چن کے پسند کیا ہے۔ بڑی آسامی لگتا ہے۔ امیر کبیر لگتا ہے۔ اپنانام کیا تھا۔“ اسکا وہ وہ یادداشت پر زور دیتے ہوئے بولا

”جلال۔“ زویانے فوراً مشکل آسان کی

”ہاں شکل سے بھی کافی زیادہ جاہ و جلال والا لگتا ہے۔ کیوں اونے کڑی کو گھر سے بھگا کر اب مکر کیوں رہا ہے۔ اونے شرم نہیں آتی تھے۔“ حوالدار صاحب کی توپوں کارخ ایک مرتبہ پھر سے جلال کی جانب ہوا تھا۔

”میں آپ سے کتنی مرتبہ کہوں میں اس لڑکی کو نہیں جانتا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ جلال نے ایک بار پھر اپنا وہ سچ بیان کیا جسے سننے پر رہی سرے سے کوئی وہاں آمادہ نہیں تھا۔

”نہ اونے اگر کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو پھر اسے پکاپنی تیر انام کیسے یاد ہے۔“ حوالدار صاحب نے تسلیم کر لیا تھا۔ زویاں ج بول رہی ہے۔ اب ان سے کچھ بھی کہنا بیکار تھا۔ مگر مصیبت یہ تھی۔ وہ بندہ نہ اسے فون کرنے دے رہا تھا۔ نہ اس کی کسی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم سب سچ بتاتی کیوں ہو انھیں۔“ جلال نے دانت پیسٹے ہوئے زویا کو مخاطب کیا
”کون سا سچ۔“ وہ ضرورت سے زیادہ معصومیت سے بولی تو جلال کو کچھ دیر پہلے خوبصورت نظر آنے والا اسکا چہرہ مکاری کے روپ پر میں لپٹ کر زہر لگا تھا۔

”یہ ہی کے تمہارے منہ بھولے والدین زبردستی تمہاری شادی اس سے وہ کیا تھا۔ نکماں کھٹو آوارہ اس سے کروار ہے تھے۔ اور تم خود اپنی مرضی سے گھر سے بھاگیں تھیں۔“ فرت جذبات میں کی گئی اس غلطی کا اندازہ اسے الگ پل شدت سے ہوا تھا۔

”شabaش جواناں شabaش مطلب کے تو اعتراف جرم کرتا ہے۔ یعنی کہ ثابت ہو ا تو اس لڑکی کو جانتا ہے۔“

”میں نے یہ کب کہا۔“ نفی میں ہلتا سر انکاری ہوا۔

”نہ تو پھر یہ تیری گاڑی میں کیا کر رہی تھی ہیں تو نے مجھے بیوقوف سمجھا ہے۔“ حوالدار صاحب اسے ایک بار پھر مکرتے دیکھ کر بر سے۔

اپھے خاصے معتبر جلال کی درگت بن کر رہ گئی تھی۔ کہاں تو ایک سے دوسری بار اسے کچھ کہنا پسند نہیں تھا۔ کجا کہ کوئی اسے اول تو سننے پر تیار نہیں تھا۔ اور اگر سن رہا تھا۔ تو لیقین ندارد۔ اسے بڑی شدت سے اپنی پہچان جیسی نعمت کا اندازہ ہوا تھا۔ جو بھر حال

اسوقت اس کے کام نہیں آرہی تھی۔

اسی وقت تھانے میں ادھم مچا تھا۔ چار موٹے موٹے تازہ صحت مند آدمی سب کے سبھی سر سے گنجے اندر داخل ہوئے تھے۔ شاید کسی سانحہ کی رپورٹ درج کروانے آئے تھے۔ مگر زویا کو دیکھ کر پہلے ٹھٹھکے پھر تھے اس کے بعد ایسا وویلا مچا کہ الامان سارا شور حوالدار صاحب کے ڈنڈے کی گونج سے ایک ثانیے میں تھا۔

"اور سر جی یہ میری منگ ہے۔ میرا دیا ہونے والا تھا۔ عین موقع پر گھر سے بھاگ گئی ہے بھلا ہو آپکا جی آپ نے پکڑ لیا۔" ان میں موجود گینڈ انہاموٹے سے آدمی نے آگے بڑھ کر اب کے بڑی تمیز سے عرضی پیش کی تھی۔
جلال نے طہانت کا سانس لیا اب سارا معاملہ خود ہی سلچھ جائے گا مگر یہ بس اس کی سوچ تھی۔

زویا متنفس دکھائی دے رہی تھی۔ اور حوالدار صاحب دیدے پھاڑے زویا کے مگنیٹر کے پیٹ کا سائیز چیک کر رہے تھے۔ "اوے پولس والے تو ایویں (پولیس والے تو یو نہیں) بدنام ہیں۔ اصل پیٹوں میں پیٹ تو تیرا ہے۔ اب اندازہ ہو رہا ہے۔ کڑی بھاگی کیوں تھی۔ اوچل نکل جاتھانے سے باہر کڑی کاشناختی کا روڈ میرے ہاتھ میں ہے۔ اوئے وہ نابالغ ہے۔ اور اسکی شادی اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔" حوالدار صاحب میں کسی جلد باز بچ کی روح سراست کر گئی تھی۔ انھوں نے کیس بناتا رخ ڈالے ہی خارج کر دیا تھا۔

"نه جی میری بڑی بدنامی ہو گی حوالدار صاحب اولوگ جیرے پر تھو تھو کریں گے۔" زویا کے ہوتے ہوتے رہ جانے والے شوہرنے دھائی دی۔

"فٹے منہ لوگوں پر ان کو تھو تھو کرنے کے لیے بھی بند انظر نہیں آتا اور یہ باقی تین کون ہیں۔" حوالدار صاحب نے اس کے برابر ہی کھڑے تقریباً تقریباً اس کے جیسے ہی دکھائی پڑتے مردوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔ "دو میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور یہ جی میرا سر ہے۔" جیرے نے فرد افرد اتعارف کروا یا تو زویا نے فٹے منہ والا تاثر دیا تھا۔

"پا جی یہ باپ نہیں میرا ایک تو میں لے پاک ہوں ان کی دوسرا میں نے شادی اس وحشی قصائی سے نہیں کرنی بالکل بھی یہ میرا ہیر و ادھر کھڑا ہے۔ آپ بس ہم دونوں کو رہا کر دیں۔" زویا نے جلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپیل کی تو وہ بلبلہ کر رہ گیا مگر اب کی بار اس نے زویا سے رشتہ ہونے کی تردید نہیں کی تھی۔ پچھلی بار بھی چپ رہتا تو لینے کے دینے نہ پڑتے سواس بار اس نے یہ غلطی نہیں دوہرائی تھی۔ اسے پوری امید تھی۔ جتنی وافر مقدار میں وہ زویا پر مہربانیاں دکھارے ہے تھے۔ جلد ہی انھیں رہا کر دیں گے۔

"بالکل درست کڑی کی شادی یہ اپنے جاہ و جلال سے ہی ہوگی اور وہ بھی میری شمولیت میں ابھی اور اسی وقت چپ کر کے ادھر نکاح میں گواہ بنو عزت بچاؤ نہیں تو پھر جاؤ جا کے لوگوں کی تھوڑتھو سے متحاگیلا کرو کوئی زور زبردستی نہیں ہوگی اور بشیر چل جا بھاگ کے جاسینا (سمجھدار) سا ایک مولوی پھڑ (پکڑ) کے لیا (لاو)۔"

"جب سرجی حکم۔" ملتے ہی ایک سپاہی محفل سے خارج ہوا جبکہ جلال کے تواب اصل معنوں میں ہوش اڑے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ میں نے کہانہ میر اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں میں اس سے شادی کس طرح کر سکتا ہوں۔" اس کی حقیقی معنوں میں ہوا یاں اڑی ہوئیں تھیں۔

ادھر اتنے بڑے فیصلے پر زویا بھی تعامل کا شکار تھی۔ مگر اسوقت انکار کی صورت دوبارہ جیر اس کے لگلے پڑ سکتا تھا۔ اس نے چور آنکھوں سے جلال اور جیرے کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ کہاں ٹپ ٹاپ سو ٹڈ بولٹ جینٹل میں اسے دونوں میں سے سودفعہ بھی جلال ہی منظور تھا۔ جیرے اور جلال کی بس ج ہی ملتی تھی۔ بھلا ان دونوں کا بھی کوئی مقابلہ تھا۔

زویا کو جان خلاصی کا راستہ نظر آچکا تھا۔ سبب سارے اللہ خود بنا تا جارہا تھا۔ مولوی صاحب وہاں آموجود ہوئے تھے۔ با جی بے بس والا چار کھڑے تھے۔ ہٹا کٹا جیر ازویا کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم سے آنسو بھارہا تھا۔ اس کے بھائی اسے دلاسہ دے رہے تھے۔ اور ان سے متضاد جلال اپنی بے گناہی کا رو ناروئے جارہا تھا۔ مگر اسکی ایک نہیں سنی جا رہی تھی۔

"یہ تو لڑکی گھر سے بھگانے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔ اب کمر کر تو اس کی زندگی تباہ کریگا غیرت کدھر چلی گئی ہے آجکل کہ نوجوان نسل کی کر نکاح ابھی نہیں تو میں بتا رہا ہوں جیل میں ڈال کے دن چڑھنے تک میں نے تجھے نیل و نیل کر دینا ہے۔ اور پھر تیری قبیض اڑوا کر تیرے ساتھ سیلی فی لے کر اخبار میں چھپوادیں ہے۔ اور ہیڈ لائئن ہوگی۔ لڑکیوں کی زندگی اجازت نے والا انسانی درندہ۔" حوالدار صاحب نے اسے وارنگ دیتے ہوئے مولوی صاحب کو نکاح شروع کروانے کا اشارہ کیا تھا۔ جلال عجیب بے بسی بے بسی میں گھرا تھا۔ کوئی اور چارہ بھائی نہیں دیا تھا۔

"قول ہے۔" کہنے سے پہلے اس نے قہر آلو نظروں سے زویا پر انگارے بر سائے تھے۔ وہ اندر ہی اندر دلہتی نظریں چرائی تھی۔

"بہت شوق ہو رہا تھا نہ تمہیں نکاح پڑھوانے کا اب میں تمہیں بتاتا نکاح ہوتا کیسے ہے۔" وہ تھانے کی حدود سے جلال کی گاڑی میں سوار ایک ساتھ نکلے تھے۔ میں روٹ پر پہنچ کر جلال کے اندر ابلتا لاوا پھٹا تو بلا کی خود اعتماد زویا بھی خوف کھا گئی۔

"مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا مجھے بس یہیں اتار دیں اپنی سیلی کے گھر میں خود چلی جاوے گی۔"

"سویٹ ہارت یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم تو میری بیوی ہو اور بیوی کو سہاگ رات کے موقع پر سیلی کے گھر تھوڑا ہی چھوڑا جاتا

ہے۔ ”چاشنی گھلے لبجے میں زہر ہی زہر گھلا تھا۔

اب پریشان ہونے کی باری زویا کی تھی۔ اس نے لاکھ دہائیاں دیں وہ اس کے نہیں جائیگے حتیٰ کے گاڑی سے کو دلانے کی دھمکی بھی دے ڈالی لیکن اثر مفقود۔ گاڑی عین جلال احمد کے گھر کے پورچ میں جا کر رکی تھی۔ اس کی شاندار گاڑی سے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک امیر انسان ہی مگر ایسی شاندار عمارت کی توقع زویا کو تو نہیں تھی۔ وہ شہر کے مہنگے ترین علاقے کا رہا تھا۔

واسع و عریض لام جلال نے ہاتھ کپڑ کر اس سے زبردستی عبور کروایا تھا۔ وہ شرمندگی کی ماری چلا بھی نہ سکی چلاتی تو اپنا ہی تماشہ بنواتی وہ اسے لیے گھر کے اندر داخل ہوا اس کے بعد گروانڈ فلور پر ہی موجود کمرے میں لا کر اسکا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ہی پنگ پرنکے سے ٹیک لگائے ستر پچھتر سالہ بڑھیا چشمے کی اوٹ سے جھانکتی اسے اپنی جانب کی جھانکتی دکھائی دی

”یہ کون ہیں۔ ”حیرت میں ڈوبی آواز ان دونوں کی سماعت سے ٹکرائی تو مٹھیاں بھینچ کر جلال نے تعارف کروایا ”اماں بی یہ آپ کی بھوہے۔ زویا۔ آپ ہی کہتی رہتیں تھیں نہ ہر وقت شادی کرو شادی کرو تو بھیجئے کر لی میں نے شادی وہ بھی عین آپکی منشاء کے مطابق لو میرج بھاگ کر لایا ہوں انھیں گھر سے ورنہ آج کسی اور سے شادی ہو جاتی ان کی۔ اب چونکہ میں ان محترمہ سے شدید محبت کرتا ہوں تو میں تو مر جاتا اماں بی اس لیے شادی کر لی۔ ”مٹھاں میں بھگو بھگو کر زویا پر طنز کے تیر اچھالتا زوار اب تک بے یقین تھا۔ ایسے سنجیدہ طبیعت انسان کے ساتھ تقدیر کس طرح کا مذاق کیا تھا۔ کیسا کھیل تھا۔ یہ قسمت کا یا پھر اس لڑکی کی بیو قوی کا تماشہ بنائے رکھ دیا تھا۔ اپنے ساتھ ساتھ اسکی ذات کا بھی وہ اسے معاف کرنے کے موڑ میں قطعاً نہیں لگ رہا تھا۔ اب زویا کو لگا تھا۔ اماں بی ازلی ساسوں کی پیڑھی کی علمدار بنتے ہوئے بیٹی کی پسند کی بیوی کو انکار کرنے کا اعلان کر دیں گیں سب کچھ ڈرامے جیسا ہی تو لگ رہا تھا۔ ایسا ہونے بھی کچھ تردد نہیں تھا۔ ”بہو سلام تو کرو ذرا جھک کر۔ ”یہ کیا اماں بی صاحبہ نے تو بنا کسی قباحت کہ اسے یوں قبول کیا تھا۔ جیسے انھیں پہلے سے ہی سب علم ہو۔

”اسلام و علیکم۔ ”اس نے ان کے قریب جا کر جھک کر سلام پیش کیا اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ بہو مان بیٹھی تھیں تو اسے بننا پڑا۔

”و علیکم اسلام۔ ”انھوں نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیر دیا۔ ”شادی بہت بہت مبارک ہو ویسے میرے بارے میں جلال نے بتایا تو ہو گا میں اس کی دادی ہوں خیر سے۔ ”وہ اسکی موہنی صورت تکتے ہوئے چاؤ سے بولیں۔

”ویسے جلال تم نے دل خوش کر دیا بہو تو ایک دم ہیرا ہے۔ ہیرا مجھے تو بالکل ایسی ہی بہو چاہیئے تھی چاند کا ٹکڑا۔ ”وہ

صدقے داری ہونے لگیں تو جلال بلاوجہ گلہ کھنکارنے لگا جبکہ زویا بچاری پھیکی سی ہنس کر رہ گئی۔

"اچھا اب تم دونوں جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو صبح ملاقات کریں گے۔" فرصت سے انہوں نے رخصت دی تو وہ آگے پچھے کمرے سے باہر نکلے کمرے سے باہر آتے وقت زویا کی نظر کمرے میں رکھی وہیل چیز پر پڑی تھی۔ اماں بی شاید چل پھر نہیں سکتیں تھیں۔ زویا کو بے پناہ افسوس ہوا مگر اپنے سر پر پڑنے والی مشکل ایسی تھی۔ کہ وہ فوراً ہی اس سوچ کر ذہن سے جھکلتی یہاں سے فرار کی کوئی ترکیب سوچنے لگی۔

"چلیے بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں چلیے۔" جلال پیٹ کے بل جھک پر ایک ہاتھ پیٹ پر باندھے دوسرا اس کے سامنے فرش راہ کیے اسے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے کی دعوت پیش کی تو زویا نے فوراً نفی میں سر ہلا�ا

"میں اوپر نہیں جاؤں گی میں مانتی ہوں میں نے خود غرضی سے کام لیا ہے۔ اپنی جان چھڑانے کے لیے زبردستی آپ کا سہارا لیا ہے۔ آپ کی مرضی کے خلاف لیکن پھر بھی آپ کا ہی فائدہ ہے اس میں۔" وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
میرا فائدہ وہ کیسے۔" جلال ہمہ تن گوش تھا۔

"آپ کو ثواب ملے گانہ مفت کی نیکی آپ کے ہاتھ آ رہی ہے۔ آپ کو اور کیا چاہیئے بچاری بے سہارہ لڑکی کو سہارا دینے سے بڑی بھلاکوں سی نیکی ہو گی ہیں، اچھا مجھے اجازت دیں میں چلتی ہوں۔" زویا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ پرندہ بن کر جلال کے پنجرے سے اڑ جائے

مگر جلال کا تو دماغ ہی الٹ گیا تھا۔ اسے کلائی سے تھام کر خاصی بے دردی سے کھینچتا ہوا کمرے تک لا یا تھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" زویا کے ہواس گم ہونے لگے

"نیکی دریا میں ڈال رہا ہوں چپ آواز نہ آئے مجھے اب تمہاری۔" اسے ہمراہی میں لیے تقریباً گھیسٹ کر کمرے میں داخل ہوا بیٹھ پر دھکیل کر دروازہ لاک کر دیا گیا تھا۔

زویا کے پسینے چھوٹ گئے وہ جارحانہ تیور لیے اسکی جانب پکا تھا۔

"دیکھو میرے قریب مت آنا میں بول رہی ہوں بہت برا ہو گا۔" زویا نئے نئے بنے اس مجازی خدا کو خود سے دور رکھنے کی سبیل سوچنے میں مصروف تھی۔ لیکن دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔

"جو تم کرو گی وہ تو بعد میں دیکھیں گے لیکن جو میں کروں گا وہ تمہیں ابھی ہی برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن تم جانا چاہتی ہو نا؟ تو پلیز جاؤ۔" بازوں کے کف فولڈ کرتا اس کے سامنے کھڑا جلال وحشت ناک نظروں سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

آزادی کا پروانہ ملنے کی دیر تھی۔ وہ فوراً اٹھ کر دروازے کی جانب لپکی مگر یہ کیا جلال نے وہیں کھڑے کھڑے اس کی کلائی

تھام کرو اپس کھنچ لیا تھا۔ وہ اچانک حملے پر توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے اس کے سینے سے جاٹکر آئی تھی۔ وہ بڑی بے دردی سے اسکی کلائی اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھا۔ زویا بیچاری سی شکل بنائے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ادھر کدھر سے چل دیں بیگم صاحبہ یہ راستہ آپکے جانے کے لیے بالکل بند ہو چکا ہے۔ جانا ہے تو آئیے میں آپکو ایک خصوصی راستے سے روشناس کرواتا ہوں۔" وہ اسے لیے یونہی کھنپتا کھانچتا کمرے میں موجود واحد کھڑکی کے قریب چلا آیا تھا۔ یک ہاتھ سے اسے جکڑے ہوئے تھا۔ دوسرے ہاتھ سے پردہ ہٹا کر کھڑکی کے دونوں پٹ واکیے تو باہر سے آتی تازہ ہوانے ان کے چہروں کو بڑے ناز سے چھو اتھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ چھوڑیں مجھے۔" زویا کو خوف لاحق ہوا مبادہ وہ اسے اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے نیچے دھکا، ہی نہ دے ڈالے تو وہ فوراً ہی اسکی پیشت کی اوٹ میں ہوئی ہاتھ چھڑانے کی ناکام سی کوشش ہنوز جاری و ساری تھیں مگر اثر نہ ارد جلال کا اشتغال عروج کے دہانے پر پہنچا ہوا تھا۔

"نظر نہیں آرہا تمہیں شاہی محل کے پچھلے دروازے سے روشناس کروارہا ہوں یہاں سے فرار کا بس یہ ہی ایک راستہ ہے۔ کو دجاو۔" وہ چکلی بجا کر بولتا اسکی کلائی کو اپنی گرفت سے آزاد کر گیا تھا۔ زویا نے نیچے جھانک کر دیکھا اچھی خاصی اونچائی تھی۔ اگر وہ اس وقت یہاں سے اللہ کا نام لے کر کو بھی جاتی تو اس کے بعد چل کر جانے کے قابل ہر گز نہ رہتی و اپس بیہیں لوٹا پڑتا۔ ساتھ ہی نیچے بند ہے کتنے پر نظر پڑی تو گویا نفی کے فیصلے پر ایک اور سند لگی۔

"کو دجاو، تین تک گنوں گا اس کے بعد پھر مجھ سے کسی رحم کی توقع نہ رکھنا ایک دو تین۔" وقفے وقفے سے اس نے گنتی پوری کی تھی۔ مگر وہ جہاں تھی وہیں کی وہیں کھڑی رہی۔

"میں کیوں کو دوں یہاں سے آپ چاہتے ہیں میں مر جاؤں اور آپ کی جان چھوٹ جائے خود کشی کا کیس تو آپ منٹوں میں ثابت کر دیں گے کورٹ میں میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں کہ آپ کے پلان کو سمجھنہ سکوں۔" وہ آنکھیں مٹکاتی اس سے جنگ کو میدان میں کوڈی۔

"مطلوب تمہیں نہیں کو دنا۔ جیسے تمہاری مر رخی۔ نتیجے کے لیے تیار ہو۔" وہ سوچتی آنکھیں اسی پر مرکوز کیے ڈریسینگ ٹیبل کے قریب جا پہنچا کچھ تلاش کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ جبکہ زویا اس کے کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ مگر فرار کی کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جلال کی تلاش ایک رسی پر آ کر مکمل ہوئی تھی۔ وہ اب اس کے ہاتھ باندھ رہا تھا۔ زویا غش کھاتے کھاتے پچی۔

"ارے کیسے وحشی انسان ہیں آپ شرم نہیں آتی ایک عورت کے ساتھ ایسا سلوک کرتے اور یہ کر کیا رہے ہیں آپ

چھوڑیں مجھے۔" وہ جان بچانے کو ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ مگر کہاں نازک سی زویا اور دوسری جانب بھر پور تو انامرد جلال، وہ بڑی طرح اس کے شکنجے میں پھنس چکی تھی۔ بنا سزا دیے تو جلال بھی اسے ہر گز رہا کرنے کے موڑ میں نہیں تھا۔

اس کے ہاتھ پاؤں پوری طرح مضبوطی سے رسی میں جکڑے ہوئے تھے۔ جلال نے اسے بازوں میں بھر کر اٹھالیا تھا۔ زویا حواس باختہ ہوئی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ امی جی ہیلپ کوئی ہے۔ بچاؤ۔" وہ چاروں ناچار چینخے چلانے لگی زوار نے اسے اٹیچڈ باتھ روم میں لا کر زمین پر پٹختا تھا۔

"شٹ اپ۔" اب وہ آگ بکولا ہوتا انگلی اٹھا کر اسے چپ رہنے کو بول رہا تھا۔ جبکہ کمر پر دھڑام سے زمین بوس ہونے کی وجہ سے گہری ضرب لگی تو زویا کراہ کر رہ گئی۔

"خبردار جو مجھے تمہاری آواز آئی چپ چاپ پڑی رہو یہاں صح تک باتھ روم میں بند رہو گی نہ تب ہی ہوش ٹھکانے آئیں گے تمہارے۔"

"نہیں آپ اتنے سنگدل کیسے ہو سکتے ہیں میں یہاں ساری رات کیسے رہوں گی مجھے جانے دیں ورنہ میں زور زور سے چلاوں گی۔" زویارات بھروہاں بند رہنے کے خیال سے ہی دہل گئی تھی۔

"شabaش بہت اچھا کیا مجھے میری سنگین ترین غلطی کا احساس تم نے قبل از وقت دلوادیا، رکو تم۔" اسے کچھ سمجھنے کے سے انداز میں رکنے کا بول کرو وہ وہاں سے غائب ہوا تھا۔ وہ بچھے رسی کھونے کی کوشش میں لگی رہی مگر بے ثود ظالم نے بڑا ہی کس کر باندھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں چوڑی سی ٹیپ تھی۔ دیکھتے ہی زویا سارا ماجرا سمجھ گئی تھی۔ مگر اب کیا ہوت جب چڑیا چک گئیں کھیت۔

رات بھر سو نہیں پایا تھا۔ صح اسکی آنکھ خاصی تاخیر سے کھلی تھی۔ گھڑی پر نگائی دوڑائی تو بارہ نج رہے تھے۔ وہ بستر چھوڑتا اٹھ بیٹھا سلیپر پیروں میں اڑستے جو نبی ہاتھ روم کا دروازہ کھولا سامنے گھٹھری کی طرح زمین پر پڑی وہ ماہ روح ماہ جبیں دکھائی دی سینکڑ کے ہزارویں حصے میں جھٹکے سے اسے کل رات ہونے والے تمام تر واقعات یاد آئے تھے۔ ساتھ ہی غصے کا سمندر ایک بار پھر سے ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ مگر نظر جب ایسی حالت میں بھی خواب خرگوش کے مزے لوٹی زویا کے پر سکون معصومیت بھرے شعلہ جوالہ حسین چہرے پر پڑی تو جم کر رہ گئی ایک تو وہ تھی بلا کی خوبصورت اوپر سے اس کے نکاح میں آچکی تھی جذبات آپ ہی آپ بے قابو ہونے لگے تھے۔ اس نے جھک کر اسکا شانہ تھپتھپا یا تھا۔

"زویا۔" ساتھ ہی اسے پکارا بھی۔

"کیا ہے۔ آپ جائیں نہ کبوتروں کو دانہ ڈالیں جا کر میں بعد میں چھت پر جھاڑو لگا دوں گی نہ۔" جواب میں ذرا سا کسمکسا کر کہا گیا تھا۔

"وات کون سے کبوتر کیا بکواس کر رہی ہو، نیند میں بھی بڑبڑاتی رہتی ہوا ٹھو میدم صبح ہو گئی ہے۔ شاہی بستر چھوڑنے کا وقت آگیا ہے۔" اس نے اس بار زور سے اسکا کندھا ہلا یا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں سامنے اسے دیکھ کر وہ ایک بار پھر زور سے چلا کی تو جلال نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی خطرناک بڑی بڑی آنکھوں سے اسے یوں گھورا وہ بیچاری سا کت ہو گئی یوں بھی اب اسکے حواس بھی بیدار ہو چکے تھے۔

"یہ میری شکل میں تم کون سا ڈریکولا نظر آتا ہے۔ بات بات پہ چخنا چلانا شروع ہو جاتی ہو تم اڑکیوں کو اور کچھ نہیں آتا۔ وہ اس سے دور ہوتا اس کی کلاس لینے لگا اور یہ میں نے تو تمہارے منہ پر ٹیپ لگائی تھی۔ وہ کہاں ہے۔" کچھ یاد آنے پر وہ ٹھنک کر پوچھنے لگا۔

"سوتے میں کھل کھلا کر گرگئی ہو گی اب پاکستان میں اصلی گم والی ٹیپ بھی کہاں میسر آتی ہے۔" زویا کو اپنے حال سے ذیادہ ملک کے حالات حاضرہ پر تاسف کرتے اس نے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تھا۔

"تمہیں ایک شرط پر کھولوں گا۔" جلال نے کام کی بات کرنا چاہی اب وہ آخر اسے کتنی دیر باندھ کر رکھ سکتا تھا بھلا۔ کیا شرط وہ منہ بسور کر بولی۔

"خبردار جو نیچے جا کر کسی کو بلکہ اماں بی کو کچھ بتانے کی کوشش کی تم نے ورنہ اگلی بار گھر کے تہہ خانے میں باندھ کر پھینک آؤں گا لاش بھی نہیں ملے گی تمہاری کسی کو کل رات جو میاں بیوی کا ناٹک شروع کیا تھا۔ تم نے اب اسے بڑی ہی تمیز سے نجھاؤ گی تم نیچے جا کر میں بالکل بھی اپنی اماں بی کا دل نہیں دکھا سکتا اب اگر انھیں پتہ چلا کہ یہ سب ایک ڈرامہ تھا۔ اور اس کے پیچھے کیا سچائی پھنسی ہے۔ تو انھیں بہت رنج ہو گا۔ اور یہ اب میں ہونے نہیں دوں گا اس لیے تم اب اس گھر سے بھاگنے کی کوشش بھی مت کرنا بنا میری اجازت کے ورنہ تم جانتی نہیں ہو میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا سمجھیں جب مناسب وقت آئیگا میں خود ہی تمہیں یہاں سے جانے کو بول دوں گا۔" سمجھی ساری دھمکی نما نصیحتیں کرتے ہوئے جلال نے اپنی قید سے اسے آزاد کر دیا تھا۔

زویا کے ہاتھوں اور پیروں پر رسی کی سختی کی بدولت نشان پڑ گئے تھے۔ ہلکی ہلکی ٹیسیں بھی اٹھ رہی تھیں۔ اس نے زخموں کو مسلتے ہوئے بڑی ہی تیکھی نظروں سے جلال کو گھورتے ہوئے دانت کچکچائے تھے۔

"اب اٹھو بھی چل کر سارا گند سمیٹو جو پھیلایا ہے۔" اسکی کر خنگی قائم و دائم تھی۔ نہ چاروںہ اٹھ کھڑی ہوئی ہاتھ روم سے باہر

آئی تھی۔ تو سامنے آئینے میں اپنی بناؤ سنگھار پر نظر لڑی وہ اب تک عروسی لباس میں ملبوس تھی۔ پچھے کھڑے جلال کو اسکی پریشانی کا مخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی وارڈروب میں کچھ ڈھونڈنا شروع کیا تھا۔ کچھ دیر بعد اپنے ٹراوزر کے ساتھ اس نے ایک ٹی شرت اس کے حوالے کی تھی۔

"میں یہ پہنؤں گی۔" وہ شاکی ہو کر بولی۔ جلال کی بھنوں تین گنیں۔

تو مت پہنوا کہہ کر وہ اس سے لباس چھین، ہی لیتا مگر اس نے فوراً کپڑے اپنی پشت کی جانب کر کے اسکی پینچ سے دور کیا تو وہ سر جھکلتا واش روم میں گھس گیا وہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی وہ صد اکی جلد باز تھی۔ ایک مشکل سے نکلنے کے لیے دوسری میں گر فتار ہو گئی تھی۔ مگر کم از کم مشکل اس مشکل سے بہت چھوٹی تھی۔ اس کا بات کا اسے پورا طمینان تھا۔

جلال کافی دیر بعد با تھر روم سے ٹاول کے ساتھ گلے بال رگڑ تابر آمد ہوا تھا۔ زویا بنا کچھ کہہ مر جھائی مر جھائی سی اٹھ کر با تھر روم کی جانب بڑھ گئی، واپس آئی تھی تو جلال کے دیئے گئے ڈھیلے ڈھالے لباس میں درمیانے قد کی زویا کوئی چھوٹی سی گڑیا ہی لگ رہی تھی۔

جلال کو نگاہ ہٹانا مشکل لگا اسکی سادگی میں بھی کمال تھا۔ وہ معترف ہوا وہ اپنے کمرے میں ہی ناشتہ منگوا چکا تھا۔ کافی کامگ ہاتھ میں تھامے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

زویا کی بھوک انڈہ اور ٹوست دیکھ کر مزید چمک اٹھی تھی۔ وہ بنا اسکی آفر کا انتظار کیے ناشتے پر ٹوٹ ہی پڑی تھی۔ بلاشبہ ناشتے کے لوازمات کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ان دونوں کے لیے تھا۔

اسے یوں تا بڑ توڑ ناشتے پر حملہ آور ہوتے جلال منہ اور آنکھیں کھولے دیکھے گیا تھا۔

"آرام سے کوئی چھین کر نہیں بھاگ رہا۔" بلا خرا سے کہنا پڑا تھا۔

"آپکا کیا اعتبار چھین کر بھاگ گئے تو۔" وہ منہ بگاڑ کر بولتی جلال کو ہی سنائی۔

وہ بنا کسی بحث کے خاموش ہو گیا یوں بھی کل رات سے اب تک کے اس کے ساتھ سے بہر حال اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ با توں میں وہ بڑی ہی کھلاڑی تھی۔

ناشستے سے فارغ ہو کر وہ دونوں ایک ساتھ نیچے آئے تھے۔ اماں بی لاونچ میں ہی صوفے پر بیٹھی دکھائی دے گئیں وہ انھیں سلام کرتے ہوئے ان کی ساتھ ہی آبیٹھے تھے۔

"بہو کو شاپنگ نہیں کروائی تم نے۔" اس عجیب غریب حلیے کو دیکھ کر اماں بی نے جلال سے سوال کیا تھا۔

"نہیں بس موقع ہی نہیں مل سکا مگر آپ فکر نہ کریں آج ہی انتظام ہو جائے گا۔" اس نے انھیں تسلی دیتے ہوئے ہاتھ میں

کپڑے موبائل کو روشن کرتے ہوئے دوچار بار طحی اسکرین پر انگلیاں گھمائیں اور پھر اسکرین ذرا فاصلے پر بیٹھی زویا کی آنکھوں کے سامنے گھمائی جو جو ضرورت کی چیزیں ہیں۔ سب آرڈر کر دو شام تک ہی پہنچ جائیں گی ساتھ ہی اسے دیکھتے ہوئے اس نے کھلے دل سے آفر کی تو چاروں ناچار اماں بی کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے بنا کسی پس و پیش کے زویانے موبائل اس کے ہاتھ لے کر کچھ گلکس کیے اور پھر موبائل واپس اس کے حوالے کر دیا اماں بی آن لائن آرڈر کر دیا ہے۔ آپ بے فکر ہیں ساری چیزیں رات تک پہنچ جائیں گی وہ اب مسکرا کر انھیں مطلع کر رہا تھا۔ جوان دونوں پر ہی نظریں گاڑھے ہوئے تھیں اس کے بتانے پر مطمئن سی ہوتی مسکرا دیں۔

"میں چلتا ہوں اب مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی۔" وہ جو نہی اٹھ کر کھڑا ہوا اماں بی نے دونتوں میں انگلی دبا کر یوں اسے دیکھا گویا بڑی انہوںی بات کر دی ہوا سے۔

"کہاں چلدیے میاں۔" سوال بھی فوراً املا تھا۔

"آفس اماں بی اور کہاں۔" وہ بلا کہ سادگی سے کہتا انھیں مزید حیران کر گیا

"شادی تم نے اپنی مرضی سے ہی کی ہے نہ میاں۔" اب حیران ہونے کی باری جلال کی تھی۔

"کیوں اماں بی کیا ہوا۔"

"ایک توبیاہ ایسے نرالے طریقے سے کر کے آئے ہو پر اس پر تو ہم نے صد شکر ہی ادا کیا اور نہ حسرت ہی رہ جاتی دل میں تمہاری دلہن دیکھنے کی پر اب جب خیر سے دلہن گھر آہی گئی ہے۔ اور تم بنا کسی دباؤ کے اپنی منشاء سے شادی کر کے لائے ہو تو پھر یہ پہلے ہی دن منہ اٹھائے اٹھائے آفس کیوں چلدیے۔" ایک ابر و اٹھائے ناگواری سے کہتی اماں بی کو جلال کیا کہتا سوچ کر رہ گیا۔

"نہیں اماں بی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں ہر گز نہیں جانا چاہتا مگر بہت ہی اہم میٹنگ ہے آج اور ویسے بھی زویانے خود مجھے اجازت دی ہے۔ کیوں زویا بتاؤ نہ اماں بی کو اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو میں نہیں جاتا۔" چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ کا ٹیک لگائے چمکدار دانت واضح کرتے جلال نے زویا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی حمایت کا اشارہ کرتے ہوئے درمیان میں گھسیٹا زویا نے جواب میں دگنی باچھیں پھیلائیں تھیں۔

"ارے میں نے کب آپکو اجازت دی بلکہ آپ نے مجھ سے اجازت لی ہی کب تھی۔ آپ نے تو مجھے اطلاع دی تھی۔ بھلا اماں بی آپ بتائیے اپنی فیملی میں نئی نولی دلہن سے بڑھ کر بھی کوئی ضروری کام ہوتا ہے کیا۔" زویا سے جلال کو یہ توقع نہیں تھی۔ ورنہ وہ ہر گز بھی بال اسکی کورٹ میں ڈالتا۔

"بہو کیا کہہ رہی ہے۔" جلال اماں بی نے اب کے سختی سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"ارے اماں بی آپ بالکل فکر ہی نہ کریں واقعی زویا بھی ٹھیک کہتی ہے۔ نئی نویلی دلہن کے ناز اٹھانے کا وقت ہے۔ اور میں ہوں کے میٹنگ کی پڑی ہے۔ بس میں نہیں جا رہا آفس۔" وہ بڑی فرصت سے صوف پر کہنی ٹکا کر بیٹھتا بولا تھا۔

زویا نے جی بھر کر اس کی بے بسی کا لطف لیا تھا۔ جبکہ جلال زویا کی اس حرکت اور اپنی بے بسی پر دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ رات کو کھانے کی میز پر زویا کی ملاقات احتشام سے ہوئی تھی۔ جلال کا چھوٹا بھائی بالکل ہی جلال کی جلالی طبیعت کے بر جلاف بڑا خوش مزاج تھا۔

جلال کی زبانی وہی لو میرج والی جھوٹی کہانی سن کر وہ غش کھا کر رہ گیا تھا۔ زویا کو دیکھ مل لینے کے بعد بھی وہ اس انکشاف پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔

بار بار ان دونوں کا بغور معائنة کرتا اور پھر نفی میں سرداں میں باسیں ہلانے لگتا جلال سے کھانا ہی نہ کھایا گیا جبکہ ہر فکر سے آزاد زویا نے ڈٹ کر کھانا کھایا تھا۔

یوں بھی آج کا سارا دن اماں بی اور جلال کی سُنگت میں میں بس ہوا کھاتے ہی گزر گیا تھا۔ پہلے اماں بی کے یاد دلانے پر جلال نے اسے پورا گھرد کھایا تھا۔

"واہ بڑے ٹھاٹھ ہوتے ہیں آپ امیر لوگوں کے ورنہ با تھب کی جگہ بالٹی بھی بڑا چھا کام دے جاتی ہے۔ اور یہ جولان میں پھول پودے آپ لگاتے ہیں۔ اور پھر جو مچھر مارنے کے مہنگے مہنگے سپرے کرتے ہیں۔ بھئی کمال ہر ایک چیز امپور ٹڈ تھی۔" زویا ساتھ ساتھ اپنا فضول ساتبصرہ بیان کر رہی تھی۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو تم اور ایک بات بتاؤ تم یہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتیں مطلب کوئی اور لڑکی ہوتی تواب تک چار چھ بار تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتی جلال اس سے اکتا چکا تھا۔

"لے ایویں ہی میں کیوں بھاگنے لگی یہاں سے اتنی مشکل تو خدا نے میری سنی ہے۔ مچھلی بازار سے نکل کر ڈینفس تک آنے کا سفر بڑا ہی مشکل تھا۔ میں کیا شکل سے بیو قوف نظر آتی ہوں جو اتنے امیر کبیر شاندار قسم کے شوہر کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی اب تو آپ مجھے کہہ بھی دیں جانے کو تب بھی نہ جاؤں میں آخر میں بھی کب تک بالٹی بھر بھر نہ سکتی ہوں قسمت میں با تھب لکھا جا چکا ہے۔" اس نے بڑے سکون سے لان میں کھڑے جلال کو اپنے دو ٹوک فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ شندر سا اسے دیکھے لگا۔ وہ اس حد تک صاف گو ہو سکتی ہے اسے اندازہ نہیں تھا۔

"مطلب میں ایک امیر آدمی ہوں اور میرے ساتھ رہ کر تمہیں ایک بہترین لائف سٹائل مل سکتا ہے۔ اس وجہ سے اب تمہاری نیت خراب ہو گئی ہے۔ اور اب تم یہاں سے جانا ہی نہیں چاہتیں۔" جلال نے جیسے اس سے ذیادہ خود سنایا تھا۔

"لو بھلا اس میں نیت خراب ہونے کی کیا بات ہوئی آپ کوں سا پرائے مرد ہیں جس پر میری نیت خراب ہوگی۔ نکاح ہوا ہے ہمارا کچھ بھی ہو بیوی ہوں آپ کی اب اس عیش عشرت پر حق بتا ہے میرا بھی ویسے بھی اپنی آسائشات کے بارے میں سوچنا کوں سی بری بات ہے۔ ویسے بھی اماں بی کے خوف سے اب مجھے چھوڑنے سے تور ہے۔ اس لیے چل ماریں میں اتنی بھی بری نہیں ہوں ٹرست می آپ نے مجھے با تھر روم میں بند رکھا دیکھیں پھر بھی میں نے آپ کو کچھ نہیں کہا میں نے تو آپ کو بس اپنا شوہر تسلیم کر لیا ہے۔" زویا اتنے اعتماد سے اسے سب کچھ کہہ گئی تھی۔ اور جلال اسکی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔ جلال کھانے سے ہاتھ کھینچتا معدرت کرتا اوپر اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

زویا کھانے کے بعد اماں بی کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئی تھی۔ ملازمہ کی مدد سے آج اس نے ہی انھیں دوائیں کھائیں تھیں۔ پھر کچھ وقت ان کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ وہ باتیں کرتے کرتے سو گئیں تو زویا بھی انگڑائی لیتی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جلال سامنے ہی سگریٹ جلانے بیٹھا کش پہ کش لگا رہا تھا۔ زویا کو زور سے کھانی ہونے لگی تھی۔

"سگریٹ نوشی صحت کے لیے مضر ہے۔ کبھی سنا نہیں آپ نے۔" وہ کمر پر لڑا کا عورتوں کی طرح سے ہاتھ جما کر اس کے رو برو کھڑی ہو کر بولی تھی۔ مگر جواب ندارد۔ وہ میز پر نظر جمائے صوفے پر دونوں پیر جمائے پشت صوفے کی ہتھی سے ٹکائے کش پر کش لگاتا اور پھر پور دھواں چھوڑتا جا رہا تھا۔

زویا دو حرف اس پر بھیجتی بیڈ پر آبیٹھی تھی۔ پھر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی، مگر کچھ ہی دیر میں کسی نے کمبل اس پر سے کھینچا تھا۔

"کیا ہے۔" وہ جھنچلا گئی مڑ کر دیکھا حسب توقع جلال ہی تھا۔

"اٹھوں میں یہاں سوؤں گا تم جاؤ جا کر صوفے پر پدھارو۔" بڑے رعب سے حکم صادر کیا گیا تھا۔

"ہر گز نہیں میں یہیں سوؤں گی میرے شوہر کا کمرہ ہے۔ مجھے حق ہے جہاں مرضی سو جاؤ۔" زویا بولی تو یوں تھی۔ جیسے شوہر نے بڑی چاہ اور نازوں سے دلہن بنار کھا ہو۔

"ایکسکیو زی می یہ تم زبردستی کی بیوی بننا بند کرو اور جا کر صوفے پر سو جاؤ میں وہاں نہیں سو سکتا میری کمر میں درد ہوتا ہے۔"

"ہاں تو پھر یہیں سو جاؤ نا میں کون سا سوتے میں آپ کو مرنا شروع ہو جاؤ گی۔" زویا کی آفرنے جلال کے چود طبق روشن کر دیئے تھے۔

"ہر گز نہیں میں تمہارے ساتھ نہیں سو سکتا اور تم اٹھتی ہو یا پھر میں ہی اٹھا کر تمہیں با تھر روم میں سچینک کر آؤں۔"

گز شترات کا واقعہ یاد دلاتے جلال نے اسے دھمکایا۔

"شوق سے پھینک آئیں مگر اس بار معاف نہیں کروں گی یہ غلطی یاد رکھنا اور مجھ معموم کی آہ سے ڈریں آپ۔ میرے ساتھ ایک بیڈ پر سونے میں کیا دقت ہے آپ کو اپنے کریکٹر پر اتنے ہی بے اختیار ہیں کیا آپ میرے ساتھ سونے سے آپ ڈر رہے ہیں بالکل لڑکیوں کی طرح۔" زویانے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑا کاری وار کیا تھا۔ جلال کا حال بے حال ہوا۔

"مجھے خود پر پورا اختیار ہے۔ تم اپنی شکل دیکھ رکھو آئینے میں۔" جلال کے توسر پر لگی تلووں پر بھجی تھی۔

وہ کمبل کھینچتا وہیں اس کے برابر میں خاصے فاصلے پر بستر شین ہوا تھا۔ اچھی طرح دیکھی ہی آئینے میں اسی لیے تو پتہ ہے مجھے کتنی پیاری ہوں میں۔ نخوت سے کہہ کر کروٹ بدلتی تھی اس نے۔ جلال چت لیٹا نیند کا انتظار کرتا رہا تھا۔ جبکہ برابر میں لیٹی زویا کب کی نیند کی وادی میں غوطہ زن ہو چکی تھی۔

نیند تو نہیں البتہ سو طرح کے خیالات ضرور جلال کے دماغ میں دیر تک ڈیرہ جائے رہے تھے۔ زویا سے ملنے سے لے کر اب تک کے تمام مناظر اس کے ذہن کی اسکرین پر کسی فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔ ناگہانی آفت کی طرح وہ لڑکی اچانک اس کہ سر آپڑی تھی۔ اس کے سوا اسے نہ قبول کر پانے کی کوئی اور بڑی وجہ جلال کو محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اگلے دن آنکھ کھلی تو نیا شوشہ ان کا منتظر تھا۔ اماں بی نے گھر میں ایک شاندار سی پارٹی کا انعقاد کیا تھا۔ انویشنز جاچکے تھے۔ کھانے کا آرڈر مشہور و معروف کیٹرنس سروس والوں کو احتشام نے دے دیا تھا۔ ڈیکوریشن والے باہر لان میں آموجود ہوئے تھے۔ جلال یچارہ صبر کا گھونٹ بھر کر رہا گیا۔

"اس سب کی اتنی جلدی کیا ضرورت تھی اماں بی۔" بظاہر خوش ہوتے اس نے پوچھا تھا۔

"میں چاہتی تھی تمہاری شادی کی خوشخبری جلد از جلد پوری دنیا تک پہنچ جائے تمہارے ماں باپ کو تو اللہ بنخشد تھم دونوں بھائیوں کی خوشیاں دیکھنے کے زندہ ہی نہ رہ سکے۔" وہ کہتے کہتے آبدیدہ ہوئیں۔

"میں بس تمہاری خوشی کو مکمل کرنا چاہتی ہوں اب تم بھی دونوں میری خوشیوں کو پورا کرنے کے بارے میں سوچو۔" احتشام اس وقت باہر کے انتظامات دیکھ رہا تھا۔ جبکہ زویا اور جلال اماں بی کے ساتھ لاونچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"جلدی سے ایک وارث اس گھر کا گلا چراغ میری گود میں ڈالنے کی تیاری کرو۔" اماں بی کی اگلی بات پر زویا کا منہ کھلا تھا۔ تو وہیں جلال کی نظریں شرم سے جھک گئیں تھیں۔

زویانے خاص طور پر جھجھکتے ہوئے جلال کے چہرے کو نظروں کو فوکس میں لیا تھا۔ بڑی ہی مشکل سے اس نے اپنی ہنسی کو قابو میں کیا تھا۔ جلال اس کی یہ حرکت نوٹس میں کے چکا تھا۔ آنکھیں دکھانے لگا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی شام ہوئی تو رنگینیاں ہی عروج پر تھیں۔ چودھویں کے چاند کی روشنی میں لائٹنگ سے سجالان جگمگ کر رہا تھا۔ زویانے سیاہ شیفون کی کڑھائی والی فرائک

پہنی تھی۔ چہرے پر نفاست سے کیا گیا ہکا پھل کامیک اپ قیامت ڈھارتا تھا۔ سیاہ لمبی گھنی ریشمی زلفیں پشت پر بکھرائے وہ مہمانوں کے نقش و نقش گھری بڑے کافنیڈ میں سے کھڑی تھی۔ کل کی آئی وہ لڑکی جلال کو اپنے ماحول میں کہیں بھی ان فٹ نہیں لگ رہی تھی۔ اسکی نظریں آج زویاپر سے ہٹ کر نہیں دے رہیں تھیں۔ کھانا سرو و ہو چکا تو زویا احتشام کے پاس یونہی چلی آئی تھی۔ وہ لان کے کونے میں سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا یک لٹک کسی جانب دیکھنے میں مصروف تھا۔ زویا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی تو نظر کا سنی رنگ کے جوڑے میں ملبوس ایک حسینہ پر جار کی اوہ اکے لب سکڑ کر پھیلے "آئم کم و ہ کھنکاری تو احتشام چونکا۔ "بجا بھی آپ یہاں! کچھ چاہئے تھا۔" وہ اپنی چوری چھپانے کی کوشش میں تھا۔

"نہیں مجھے تو کچھ نہیں چاہئے ہاں مگر تم کچھ خاص کر رہے تھے۔ مجھے کوئی پر ابلم نہیں کیری آن۔" وہ شرارت سے اسے چھپیرہی تھی۔ وہ جھینپ گیا۔

محفل رات گئے برخاست ہوئی تھی۔ سب تھک چکے تھے۔ فراغت پاتے ہی خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگے اگے روز زویا کی آنکھ کھلنے سے پہلے ہی جلال آفس کے لیے نکل چکا تھا۔ وہ نیچے آئی تو بالکل ہی بے خبر تھی۔

"جلال یہیں کہیں ہوں گے۔" اماں بی کے استفسار پر یوں ہی کہہ دیا تھا۔ مگر کہہ کر پچھتا تھا۔

اور اماں بی تجھ میں گھری اسے دیکھنے کیسیں جلال آفس چلا گیا تھا۔ اور ایک وہ تھی۔ کہ کچھ خبر ہی نہ تھی۔ شر مندگی کے مارے ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کر پائی تھی۔

تلماکر جلال کو فون ملایا نمبر اس نے اماں بی کے فون سے نکال لیا تھا اور کال وہ گھر کے نمبر سے کر رہی تھی۔ آخر چوتھی بیل پر اس نے اٹھا لیا تھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے۔ بناتا ہے آپ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے حد ہوتی ہے۔ کسی بات کی ادھر اماں بی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہہ دیا یہیں کہیں ہوں گے، مطلب میں کوئی آپ کے ہجر میں مر تھوڑا ہی رہی ہوں، آپ کو جانا تھا کم از کم بتا کر چلے جاتے جب اماں بی نے کہا لو بھی کیسی بیوی ہو تو شوہر تمہاری بغل سے اٹھ کر غائب ہو گیا اور تمہیں کچھ علم نہیں تب کیا بتاتی میں انھیں آیا کہ شوہر تو بغل میں سویا ہی کب تھا۔ جو اس کے جانے کی خبر ہوتی۔" وہ اس کے منہ سے ہیلو سنتے ہی اسے کچھ کہنے کا موقع فراہم کیے بغیر نان ٹاپ پکی روایتی بیوی بنی اس سے جھگڑنے لگی۔

"میرا آفس آنا ضروری تھا۔ اب میں کام تو نہیں چھوڑ سکتا اور پلیز یہ آفس ہے میں پر سنل کا لاز آفس میں نہیں لیتا گھر پر بات ہو گی۔" دوسری جانب سے نہایت شائقی سے نپاٹلا جواب دے کر فون کاٹ دیا گیا تھا۔ شاید جلال کے پاس کوئی اور موجود تھا۔

باقی کادون اس نے اماں بی کے ساتھ گزارا تھا۔ اور پھر جیسے ایک روٹین بنی چلی گئی تھی۔ صبح اس کے جانے تک جلال جا چکا ہوتا تھا۔ وہ ناشتہ کر کے اماں بی کے ساتھ وقت گزارنے لگتی کبھی انھیں ڈا جسٹ سے پڑھ کر کہانیاں سناتی کبھی ان کے سر کی سرسوں کے تیل سے مالش کرتی ان کو وہیل چیز پر بٹھائے گھر بھر میں سیر کرواتی رہتی اور اب تو شام کو وہ انھیں قربی پارک بھی لے جاتی تھی۔ ہفتہ بھر سے اوپر دن بیت چکے تھے۔

جلال کو اب تک سمجھ نہیں آئی تھی۔ کہ اب جب سارا زمانہ جان چکا تھا۔ کہ وہ جلال احمد کی بیوی تھی۔ تو وہ کس طرح سے اسے اپنے گھر اپنی زندگی سے بے دخل کرے کچھ یوں بھی دل مان نہیں رہتا تھا۔ کہ وہ اس سے جدا ہو جائے کچھ ہی دنوں میں جیسے جلال کو اسکی عادت سی ہو گئی تھی۔

رات کو جب تک وہ اسکی بے تکنی لمبی فضول باتیں سن نہیں لیتا تھا۔ اب نیند نہیں آتی تھی۔ اور یہ بات اس کے دل کے کسی گوشے میں راز کی طرح محفوظ تھی۔ جو جیسے تھا۔ ویسے ہی ٹھیک تھا۔ بارہ سوچ و بیچار کے بعد اس نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ زویا نے تو اسے اور اس کے گھر کو اپنا مان ہی لیا تھا۔ جس کا بر ملا اعتراف وہ اس سے پہلے ہی کر چکی تھی۔ وہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ وہ جانتا تھا۔

لیکن وہ اس کی خاطر اسکی محبت میں گرفتار اس کے آشیاں سے نہیں جڑی تھی۔ بس یہ ایک خلش تھی۔ جو جلال کو ستائے جا رہی تھی۔

آج فرائی ڈے تھا۔ جلال جلدی گھر آگیا تھا۔ سامنے ہی زویا اور احتشام لڑو کھیتے دکھائی دیئے اور ان کے قریب ہی اماں بی موجود ان کو طرح طرح کے مشوروں سے نوازتی دکھائی دیں اس نے بہت سالوں بعد اماں بی کے چہرے پر ایسی طمانتی بھری مسکان دیکھی تھی۔ جو سراسر زویا ہی کی بدولت تھی گھر کے ملازموں سے اسے اطلاعات ملتی رہتیں تھیں۔ وہ جانتا تھا۔ زویا مان بی اور احتشام دونوں سے بہت ذیادہ گھل مل گئی تھی۔

"اسلام و علیکم۔" وہ انھیں سلام کرتا گلے میں بندھی ٹائی ڈھیلی کرتا وہیں ان کے قریب جا بیٹھا تھا۔ اب کی توجہ میں لمحے بھر کو خلل پیدا ہوا تھا۔ مگر اس پر جو اسلامیتی بھیج کر سب اپنے مشغله میں واپس مشغول ہو لیے تھے۔

"اور چھپا نچ سے تمہاری لال والی بھی مر گئی یہ۔" "زویا اچھی۔ احتشام متفلکر ہوا۔

"یہ آج میری کچھ ذیادہ ہی پڑ رہی ہیں کوئی نہیں کل آپکی کتنی گوٹیں ماری تھیں میں نے۔" احتشام نے آج کا دکھ بھلانے کا لیے کل کا منظر یاد کیا تھا۔

"جو بیت گیا سوبیت گیا آج کی بات کرواب گئے ہوئے کل کوئے کب تک لکیر کا فقیر بنا بیٹھا رہے گا ہو سکتا ہے۔ کل

جونقسان ہوا ہوا س میں آج کافائدہ شامل ہو ویسے بھی حال کے احساسات و جذبات ماضی کی یادوں پر ہمیشہ بھاری ہوتے ہیں۔ ”زویا احتشام کو جواب دے رہی تھی۔ لیکن جلال کو لگا دراصل یہ سب الفاظ اس کے لیے ہوں وہ انھیں یوں ہی مگن سا کھلیتا چھوڑ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ نہ جانے اسکی قسمت میں اب کیا لکھا تھا۔ وہ سوچ کر رہ گیا۔

جلال آج حیدر آباد گیا ہوا تھا۔ وہ دیر سے آئے گا اس نے آفس سے ہی فون کر کے بتا دیا تھا۔ زویا کے پاس اسوقت کرنے کے کچھ نہیں تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ احتشام کے ساتھ تھوڑی دیر باہر روانہ لگا آئے مگر بارہا کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے باوجود بھی احتشام نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

وہ کالج سے آنے کے بعد اسوقت گھر پر ہی ہوا کرتا تھا۔ ہاں عشاء کے بعد سے لے کر کچھ وقت وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گزار کرتا تھا۔

زویا نے کھڑکی سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر بے ثود اندر گھپ اندھیرا تھا۔ وہ بے دل سی ہو کر پلٹ آئی لاونچ میں آکر ٹوی دیکھنے کے لیے جو نہیں جھک کر میز سے ریموت اٹھایا نگاہ قریب ہی رکھے شادی کے کارڈ پر جا پڑی تھی۔ وہ اٹھا کر الٹ پلٹ کرتی دیکھنے لگی

اریشہ ویڈ ز حمد سنہری حروف میں درج دلہان دلہن کے نام کو پڑھ کر وہ سوچ میں پڑی ایسے کسی نام سے وہ واقف نہیں تھی۔ وہ کارڈ یو نہیں ڈال کر مگن ہو جاتی مگر تب ہی پاس سے گزرتی رضیہ پر توجہ لگی۔

”سن تو!“ اس نے فوراً مناسب کر لیا۔

”جی دلہن بی بی۔“ وہ مودب سی اس کے پاس آر کی۔

”یہ کارڈ کہاں سے آیا ہے۔“ اس نے وہ شاندار سا انویٹیشن کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تو ساتھ والوں کے گھر سے شادی کا کارڈ آیا ہے۔ ان کی اکلوتی بیٹی اریشہ بی بی کی شادی ہو رہی ہے اسی ہفتے۔“ ملازمہ نے اسے معلومات فراہم کی تھی۔

”اچھا اور یہ احتشام گھر پر ہی ہے نا۔“ ساتھ ہی اس نے کچھ یاد آنے پر اس کا بھی پوچھ لیا۔

”جی دلہن بی بی یہ کارڈ انہی نے رسیو کیا تھا۔ اریشہ بی بی خود دینے آئیں تھیں۔ تب سے چھوٹے صاحب اپنے کمرے میں ہیں۔“ اگلی خبر نے زویا کو حیران کر دیا تھا۔

”اور جب اریشہ آئیں تھیں۔ مجھے کیوں نہیں بتایا کسی نے۔“ حیرت میں ڈوب اسوال ابھر اتھا۔

”وہ تو بھی کھڑے کھڑے آئیں تھیں۔ ویسے بھی وہ تو پہلے بھی یہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ چھوٹے صاحب جی کے ساتھ کالج

میں پڑھتی ہیں نوٹس لینے آیا کرتی تھیں پہلے بھی۔ "مالزہ نے اب کے مزید تفصیل بتا کر زویا کو نئی ہی سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔ کہیں اریشہ وہ ہی لڑکی تو نہیں تھی۔ جسے احتشام اس روز یوں دیوانہ وار دیکھ رہا تھا۔ دماغ کی بیتی روشن ہوئی تو وہ احتشام کے کمرے میں جا گھسی لا نہیں آن کیں تو احتشام میں کو سامنے ہی زمین پر سر جھکائے بیٹھے پایا۔

"تو یہاں پر سوگ منایا جا رہا ہے۔" وہ اندر چلی آئی تھی۔ احتشام بھی چونک کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں تھا۔
"کیسا سوگ میں سمجھا نہیں۔"

"آپ سچ میں ہی نہیں سمجھے جب لڑکی خود چل کر آپ کو شادی کا کارڈ تھمانے آگئی تو اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ وہ بھی آپ سے محبت کرتی ہے۔ اب جب آپ دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں میں یہ سمجھ نہیں پا رہی تو پھر پر البم کیا ہے آخر۔" وہ اس کے برابر بیٹھتی سکون سے بولی تھی تھی۔

جواب میں خاموشی چھائی رہی تھی۔

"میں تمہاری بھا بھی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی دوست بھی ہوں تم کچھ بھی مجھ سے شیر کر سکتے ہو بلکہ میں تمہاری ہیلپ کرنا چاہتی ہوں کیوں تم چپ چاپ اپنی محبت کا تماشہ دیکھ رہے ہو۔" زویا سے بولنے پر اکسانے لگی۔

"جس سے اس کی شادی طے ہوئی ہے بھا بھی وہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ انسان ہے۔ اریشہ کے گھروالے یہ رشتہ نہیں ختم کریں گے میں میں کیا کر سکتا ہوں۔" احتشام نے چپ کا قفل توڑتے ہوئے زویا کو ایک بار پھر سے مزید حیران کیا۔
"مطلوب تم اس لیے پریشان ہو کیونکہ پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" زویا افسوس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ احتشام اسے دیکھنے لگا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ۔"

"بیو قوف ہو تم چپکے سے کورٹ میرج کیوں نہیں کر لیتے تم۔" زویانے اسے مشورہ دیا
"بالکل بھی نہیں میں ایسا کوئی بھی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا ایک تو یہ سراسر غلط ہو گا دوسرا بھائی کو پتہ چل گیا وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔" احتشام انکاری تھا۔

"تاریخ میں اگر تم ایک ناقواں کمزور عاشق کی حیثیت سے یاد کیے جانا نہیں چاہتے تو بس پھر کمرکس لو میدان میں اترنے کے لیے۔" زویانے کچھ سوچتے ہوئے اسکا شانہ تھپٹھپا کر ہمت بندھائی۔

"مگر ہم کریں گے کیا۔" وہ سراپا سوال تھا۔ زویا کے لب شرارت کے تین مسکرانے لگے تھے۔ وہ شرارت جس کا عنديہ بہت بعد میں واضح ہوا تھا۔

وہ تیر کی رفتار سے سیرھیاں پھلا فتی ہوئی نیچے آرہی تھی۔ ایسی جلد بازی راس نہیں آئی تھی۔ پاؤں پھسلا اور وہ لڑکھڑا سامنے سے آتے جلال کی بانہوں کا ہار ہوئی۔

نظر وں سے نظریں ملیں تھیں اور دل سے دل دھڑکنیں نئی ہی تال پر رقص کرنے لگیں تھیں۔

"ٹھیک طرح سے چل بھی نہیں سکتیں تم۔ وہ اپنے شہارے کھڑی ہو چکی تو جلال نے اسے بڑی ہی مدھم آواز میں ٹوکا تھا۔ اور اس بارزویا نے اسے کوئی جواب ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اوپر چلا گیا تھا۔ زویا وہاں کھڑی کتنی ہی دیر تک اسے دکھتی رہی تھی۔ پھر اپنا مشن یاد آیا تو باہر کی جانب دوڑی جہاں نجات کب سے احتشام اسکا منتظر تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اریشہ کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ احتشام کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا۔ جس میں زویا نے طرح طرح کے کھانے سجا ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ملاقات اریشہ کے والد سے ہوئی تھی۔ سلام دعا کے بعد زویا نے جب حمید صاحب کو وہاں اپنی آمد کے سلسلے سے آگاہ کیا تو وہ مزید خوش ہوئے تھے۔

زویا نے ان سے کہا تھا کہ آج اس نے پہلی مرتبہ اپنے سرال میں کھانا بنا�ا تھا۔ اس لیے پڑوسیوں کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ ان کے لیے بھی کھانا لائی تھی۔ بس پھر کیا ڈھیر سارا شکریہ وصول کرنے کے بعد چائے سے ان کی خاطر تواضع کی گئی تھی۔

ابھی چائے کا دور دورہ جاری ہی تھا۔ جب احتشام کی زندگی موضوع گفتگو بنی زویا کا تو بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دنیا جہاں کے گن احتشام میں ہی گنو ڈالے انھیں، اتنا لاؤ لایا ہے مگر مجال ہے جو رتی بھر اس نے کبھی ناجائز فائدہ اٹھایا ہوا لاؤ پیار کا اتنا سبلجھا ہوا سمجھدار پڑھا لکھاڑ کا آجکل تو ڈھونڈنے سے بھی ملتا نہیں ہے۔ باقی گھر خاندان سے تو آپ اچھے سے واقف ہی ہیں آخر کو سالوں پرانی ہمسایگی ہے آپ لوگوں کی۔ اریشہ آؤنے کیسی ہو۔ زویا نجات کب تک اسکی تعریفوں میں رطلب انسان رہتی کہ اریشہ آتی دکھائی دی تو وہ اٹھ کر اس سے بغلگیر ہوئی۔

"کیسی ہو شادی کی تیاریاں کیسی چل رہی ہیں کسی بھی چیز کی کبھی ضرورت ہو تو بلا جھجھک تم مجھ سے ضرور کہنا بلکہ مارکیٹ وغیرہ تو جاتی ہو گی تم شادی کی شانگ کے سلسلے میں اگلی بار جب جاؤ مجھے بھی بتا دینا دنوں ساتھ چلیں گی۔" زویا نے بڑی چاہ سے اریشہ کو بغور دیکھتے ہوئے احتشام کو پسند کی سند نظر وں ہی نظر وں میں دیتے آفر کی تو اس نے بھی خوشی سے ہامی بھر لی تھی۔

"اچھا آپ لوگ ان جوائے کریں پھر مجھے ذرا مکینک کو بلانے جانا تھا۔ کہتے ہوئے حمید صاحب گھٹنوں پر زور ڈالتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ارے نہیں انکل آپ کیوں کی تکلیف کرتے ہیں آپ بتائیں نہ کیا کام ہے احتشام کر لے گا کیوں احتشام۔" زویانے پاس بیٹھے احتشام کو ٹھہو کا دیا تو وہ اشارہ سمجھتا فوراً چوکس ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی جی انکل جی بالکل آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں اب ہمسائے ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو کون آئے گا میں ابھی بلا کر لا یا مکینک کو۔" احتشام نے کچھ زیادہ ہی پھر تی دکھائی تھی۔ بنا کسی الگی بات کا موقع دیئے وہ مکینک کی تلاش میں نکل چکا تھا۔ اس کی فرمانبرداری پر حمید صاحب اور فرخندہ عش عش کراٹھے تھے۔ وہیں اریشہ خاصی نا سمجھی کے عالم میں حیران پریشان ان کو بار باری ملاحظہ کرتی تھی۔

احتشام مکینک لا کر گھنٹہ بھر با تھر روم کے پائپس ٹھیک کرواتا رہا تھا۔ تو وہیں زویا آرام سے اریشہ اور اسکی ممی اپنی نئی آنٹی کے ساتھ دو جہاں کی گپیں لڑاتی رہی تھی۔ واپسی پر احتشام کامنہ اترا ہوا تھا۔ تمہیں کیا ہوا آج تو خوشی کا دن کے بڑا تفصیلی تعارف ہوا ہے تمہارا تمہارے سرال میں زویانے تشویشا کی سے اسے گھورا۔

"آتے ہوئے اتنی بڑی آفر کر کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ احتشام کو خدمت خلق کا بڑا شوق ہے جب جی چاہے آپ اپنا کوئی بھی کام کرو سکتے ہیں۔ مجھے تو اپنے ایسے کسی شوق کے بارے میں قطعی کوئی علم نہیں اور سے سبحان اللہ حمید صاحب پر ان کی پانی کی ٹیکنی بھی لیک ہے۔ فرمار ہے تھے۔ کل آکر بنو جاؤں۔" احتشام تو بھر ابیٹھا تھا۔

"لوالٹا چور کو تو وال کا سر کھائے جا رہا ہے۔ میں نے کہا تھا ان کی لڑکی سے آنکھ لڑا اور شکر کر دکسی بہانے سے تمہیں وہ گھر میں گھنسنے تو دے رہے ہیں۔ ورنہ تم گلی میں ہی کھڑے اریشہ کی ڈولی کو دور دور سے خدا حافظ کہہ رہے ہو تے کمزور عاشق سخت برے لگتے ہیں مجھے یا تو عشق نہ کرو یا پھر بننا چوں چرال کے پا پڑ بیلتے رہو زویا کسی نرمی کے موڈ میں نہیں تھی۔" احتشام منہ بن اکر کمرے میں گھس گیا تھا۔ زویا کو اسکی حالت زار پر ہنسی آئی۔

ابھی وہ اسکے حال سے مزید محظوظ ہوتی رہتی کے اماں بی کا بلا وہ آگیا وہ جھٹ پٹ حاضر ہوئی جلال بھی اماں بی کے کمرے میں بیٹھا دکھائی دے گیا تھا۔ آج وہ چھٹی پر تھا۔ گھر بیلو سے جلیے میں ریکس ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ "آج زویانے کھانا بنایا ہے۔ میں نے سوچا کیوں نہ دوپھر کا کھانا سب ساتھ مل کر ہی کھائیں۔" اماں بی نے کھا سامنے ہی میز پر کھانا چنا جا چکا تھا۔

"اوہ۔" اس کے لب سکڑے پھر وہ جلال کے برابر ہی خاصی جگہ گھرتے ہوئے صوف پر برا جمان ہو گئی تھی۔ جلال بیچارے کو دوسری طرف ہکسنے کے سوا کوئی چارہ نہ ملا تھا۔ احتشام بھی آکر ایک کرسی سمبھال چکا تو لنج کی شروعات ہوئی۔ کھانا لذیذ تھا۔ سب نے ہی تعریف کی تھی۔ مساوئے جلال کے زویانے پہلے تو انتظار کیا پھر دو حرف اس پر بھیج کر لا پرواہ ہو گئی۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ زویانے سوچا لگے ہاتھوں کیوں نہ وہ احتشام کی شادی کا تذکرہ بھی چھیڑی ہی ڈالے۔ "ویسے اماں بی میں سوچ رہی تھی۔ مردوں کو اگر وقت پر نکیل نہ ڈالی جائے تو بڑے ہی سر پھرے واقع ہوتے ہیں۔ خیر لیکن اس بات سے کیا لینا میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کیوں نہ احتشام کو بھی کسی نہ کسی کھونٹ سے باندھ ہی دیا جائے بیچارے کی عمر ہو گئی ہے۔ اور آجکل تو عمر نکلتے بھی دیر نہیں لگتی کیوں احتشام ڈھونڈیں پھر ہم تمہارے لیے کوئی لڑکی۔" زویانے احتشام کو بھی درمیان میں گھسیٹ لیا تھا۔ اماں بی اور جلال حیرت سے منہ کھولے اس بات پر ان دونوں کو ملاحظہ کیے جاتے تھے۔

"جی بھا بھی بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میرے خیال سے شادی کے لیے یہ ہی عمر بہترین ہے۔ ویسے بھی میں نے ہمیشہ اماں بی کو بھوکے لیے ترستے دیکھا ہے۔ میں نے تب ہی سوچ لیا تھا۔ اماں بی کا یہ خواب میں جلدی پورا کروں گا بھائی جیسا سنگدل میں نہیں ہو سکتا۔" احتشام کی اداکاری نے سارے بند توڑے تو زویانے میز کے نیچے سے اسکے پاؤں پر پیر دے مارا تو وہ فوراً جائے میں لوٹا۔

"بھئی لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی تمہارے بھائی نے بھی اپنے من کی کری مجھے تو خوشی ہی ہوئی تھی۔ اب اگر کوئی تمہیں بھی پسند ہے تو بتا دو۔" اماں بی ضرورت سے ذیادہ ہی فراخ دل لگیں زویا کو۔

"اڑے نہیں اماں بی مجھے تو کوئی بھی لڑکی پسند نہیں میں تو وہیں شادی کر لوں گا جہاں بھا بھی کہیں گی۔" احتشام نے فرمانبرداری سے کام لیا۔

"یہ خاص تم وہیں شادی کیوں کرو گے جہاں بھا بھی کہیں گی۔" جی ہاں خاصی باریک بنی سے معاملے کا معائنة کرتا یہ جلال ہی تھا۔

زویا زور زور سے کھانسے لگی پانی بھا بھی احتشام نے پانی کا گلاس اسے تھما یا تو بلوں سے لگا کر وہ غٹا غٹ پی گئی۔ جلال ان کی بو کھلاہٹ دیکھتا ہا۔

"اماں بی تو بس آپ ہی بتائیں کب اور کہاں سے تلاش کی جائے احتشام کی دلہن۔" زویانے سلسلہ کلام پھر وہیں سے جوڑا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں تم ڈھونڈ لو لڑکی اور پھر اگر احتشام کو بھی پسند آجائے تو ہمیں بتا دینا ہم بھی ناچھتے گاتے برات میں شامل ہو جائیں گے اب اس عمر میں ماری ماری پھر کر لڑکی ڈھونڈنے سے تو میں رہی۔" اماں بی ضرورت سے ذیادہ آسان ہدف ثابت ہوئیں تھیں۔ مگر جلال اتنی آسانی سے شکنجے میں آنا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"یہ دوپھر کو کیا شو شو چھوڑا تم نے۔" آج رات کو وہ سونے کے لیے کمرے میں آئی تو اس کی تفتیشی مہم کا آغاز ہوا کوئی سا شو شو۔" وہ انجوان بنی۔

"یہ اچانک تمہیں بیٹھے بیٹھائے احتشام کی شادی کا خیال کہاں سے آگیا۔" جلال بیٹھ پر نیم دراز تھا۔ ہاتھ نچا کر بولا۔
"خیال مجھے نہیں اسے آیا ہے۔" وہ دو بدو بولی۔
"مطلوب۔" وہ چونکا۔

"مطلوب یہ کہ لڑکا جوان ہو گیا ہے۔ اب ہر کوئی آپ کی طرح تہائی میں اپنی ساری جوانی تھوڑا ہی بر باد کرنا چاہتا ہے۔ اس کی عمم ہو چلی ہے شادی کرنے کی اور وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس میں اتنا غور و فکر کرنے والی کیا بات ہے۔" زویا نے اس پر بھی ساتھ ہی چوٹ کر ڈالی جو سیدھی جلال کے دل پر ہی جا لگی تھی۔

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میری عمر گزر گئی ہے۔ کم عقلی کمزور نظری ہے تمہاری۔ آج بھی ہینڈ سم جوان چار منگ ہوں میں۔"
اپنے حق میں دی گئی دلیل اسے مہنگی پڑھنے والی تھی۔

"آج بھی جلال صاحب آج بھی اور صرف آج میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آپ مااضی کے کل میں جوان ہوئے تھے۔ اور حال میں آپکی جوانی کے اختتامی مراحل چل رہے ہیں۔ بہت جلد مستقبل میں آپ مااضی کے ایک نوجوان کھلاعیں گے۔" وہ بستر نشین ہوتی اسے جلا کلسا کر خاک کر گئی تھی۔

ادھر وہ بیٹھ پر ڈھیر ہوئی ادھر جلال کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھا اور میرے اس بڑھاپے تک کے سفر میں تمہارے پڑاؤ کہاں ہوں گا ذرا یہ بھی کلیسٹر کرتی جاوے۔" زویا کو اندازہ نہیں تھا وہ اپنی عمر کے بارے میں استقدار پڑھی ہو گا اسے تو جلال کو تنگ کرنے کا نیا بہانہ ہاتھ آگیا تھا۔

"لو میرا کیا ہے۔ میں تو ویسے بھی آپ سے آدمی عمر کی ہوں۔" زویا کی معصومیت عروج پر تھی۔

"تم جیسی چند چتر چالاک لڑکیاں چاہے جتنی بھی کم عمر نازک کلی کیوں نہ ہوں۔ بہت جلد وہ وقت آ جاتا ہے جب آدمی عمر کے بجائے میاں سے دگنی عمر کی دکھائی دینا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور سب کچھ ان کے اندر ہی اندر چھپی مکاریوں کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔" جلال نے خوب ہی حساب چکتا کیا تھا۔ زویا کو ایسے کرارے جواب کی امید ہرگز نہیں تھی۔ جواب دینا چاہتی تھی۔ لیکن نیند حملہ آور ہو گئی جلال کتنی ہی دیر تک جوابی حملہ کا انتظار کرتے رہنے کے بعد سو گیا تھا۔

اس دن کے بعد سے جلال میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں۔ وہ رات کو ضرورت سے زیادہ جلدی سونے لگا تھا۔ صح سویرے، ہی اٹھ کر جا گنگ کے ساتھ ساتھ اب یو گا کرنا بھی شروع ہو گیا تھا۔

زویا کی باتوں نے اس پر شدید گہر اثر کیا تھا۔ زویا نے نوٹس کیا تھا۔ مگر اس سب کی وجہ سے اب تک وہ ناواقف ہی تھی۔ اور سب سے ذیادہ جو عادت اس نے اپنائی تھی۔ جس سے زویا بھی تنگ آچکی تھی۔ پانی وہ ہر وقت ہر آدھے گھنٹے میں پانی پینا شروع ہو

گیا تھا۔ گھر میں بھی اس نے زویا کو گھن چکر بنایا کر رکھ دیا تھا۔ ادھر وہ آکر بیٹھتی ادھر وہ پانی کی فرماش کر دیتا دو ایک مرتبہ اس نے بوتل بھر کر لادی تو فرمایا گیا اسے ہمیشہ فلٹر کا فریش تازہ پانی چاہیئے زویا دانت کچکچا کر رہ گئی ابھی یہ پریڈ جاری ہی تھی۔ کہ رات گئے احتشام اپنے رونے اس سے رونے چلا آیا وہ بیچارہ ہفتے بھر سے اریشہ کے گھر میں کبھی ٹینکی ٹھیک کروارہا تھا۔ کبھی وائز نگ ٹھیک کروانے پہنچا ہوتا تو کبھی اریشہ کی ممی کے ساتھ گروسری کروانے چلا جاتا ایسی دھوپ میں جب وہ ناپ تول کر کتنی ہی دیر بحث کے بعد سبزی خریدتیں احتشام کا بس نہ چلتا بھلی کی تاروں سے لٹک کر خود کشی ہی کر لے اتنی مشقتوں کے باوجود ایک بار بھی اسکی اریشہ سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور اسوقت یہی بات مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اس کی گھروالوں کی خوشامدیں اور چاکری کر کے وہ ان کی آنکھوں کا تارا تو ضرور بن گیا تھا۔ مگر ان کا داماد انھیں اب بھی اس سے پیارا ہی تھا۔ اسی لیے پرسوں ان کے داماد کی آمد پر انھوں کھانے کا مینیو خاص احتشام سے پوچھ کر رکھا تھا۔

"ویسے دیورجی سوتلوپوں کی سلامی دوں آپکو تو یہ ملکی خزانے پر بڑا ظلم ہو گا دو سال یعنی کے پورے 730 دن تک لڑکی آپ کے ساتھ کالج میں پڑھتی رہی آپ اسے بغور تاثر تے بھی پائے گئے مگر کبھی آپ سے سے اتنا نہ ہو سکا ایک سیپل ساپر پوز مار دیں لڑکی کو۔"

"مجھے ڈر تھا کہیں اریشہ انکار نہ کر دے بلکہ مجھے تو بھی بھی ڈر ہے۔ اریشہ نے کوئی واضح حوصلہ افزائی تو نہیں کی احتشام نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو وہ سر تھام کر رہ گئی۔

"قربان جاؤں آپ کے دیورجی وہ جو میٹھی میٹھی مسکراہٹیں اچھاتی ہے۔ اریشہ وہ کس لیے ہے پھر اور یہ بھی اچھا پوائنٹ نکالا ہے۔ آپ نے دیورانی جی کا ڈائریکٹ ایکشن شامل ہونا چاہیئے ہماری پلانگ میں ورنہ گڑبڑ ہو جاسکتی ہے۔ تم ایک کام کرو اپنا تام جھام کرو سارا اسے دل کی بات بتانے کا۔ میں اسے کل شاپنگ پر بلواتی ہوں اور خبردار جو بزرگی دکھائی ہو تو۔ ساتھ ہی زویانے اسے وارن بھی کیا تو وہ بے چین سا ہو کر رخ بدل کر رہ گیا۔

"کل مجھے شاپنگ پر جانا ہے۔" شام کو جلال لان میں بیٹھا تازگی کا ڈوز لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب زویا چلی آئی تھی۔ جلال نے جواب میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو تو میں کیا کروں۔

"میں کس کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ مزید بولی۔

"آئی۔ ایم۔ سوری میں بالکل نہیں جاسکتا۔" جلال نے کو رسا جواب دے دیا تھا۔

"تو میں کب کہہ رہی ہوں آپ چلیں میں تو یہ کہہ رہی ہوں اپنی شاندار شاہی سواری گھنٹے بھر کے لیے ہماری خدمت میں پیش کر دیجیئے گا بڑی نوازش ہو گی آپکی۔" بڑے احترام سے کہا گیا تھا۔ گھرے گھرے سانس اپنے اندر اتارتا جلال ٹیڑھی آنکھ اس

پرجمائے رک چکا تھا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں تو۔" اندرا جلانے والا تھا۔

"تو کچھ بھی نہیں میں بس جا کر اماں بی کے حضور عرضی پیش کر دوں گی۔" جوابی وار مقابله کا تھا۔

جلال نے لمبا سا ہنکارہ بھرا بھر ٹھیک ہے۔ کہہ کرہامی کی سند بخشی تو زویا کھل اٹھی اس کی گاڑی میں جانے کا آئیڈیا احتشام کا تھا۔ اسکی گاڑی گھر کی سب سے مہنگی اور شاندار کار تھی۔ اس میں سواری کی الگ ہی آن بان شان تھی۔

اگلے دن شاپنگ کا وقت قریب آیا تو بمعہ گاڑی جلال خود بھی چلا آیا۔

"جہاں تک میری یادداشت سفر کرتی ہے۔ صرف گاڑی کی ضرورت درکار تھی۔ ڈرائیور کو تو ہم نے نہیں بلوایا۔" زویا نے اس پر طنز کا فقرہ کسا تھا۔

"اپنی گاڑی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا تم پتہ نہیں کیا حشر کر دو اور اگر چلنا ہے۔ تو میری نگرانی میں ہی چلو ورنہ گھر میں ہیں گاڑیاں اور بھی۔" اس نے دفع دور والا اندرا اپنا یا تو زویا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ایک مشورہ تمہارا مانا اور وہیں لینے کے دینے پڑ گئے اب بھکتو گاڑی میں۔" بیٹھنے سے پہلے زویا نے احتشام کو بلا وجہ گھر کا، اب جلال کی موجودگی کی بدولت ان کا منصوبہ اور بھی کھٹھن مراحل میں منتقل ہو چکا تھا۔

اریشہ سے زویا نے بات کر لی تھی۔ اسے انہوں نے اس کے گھر سے پک کر لیا تھا۔ گھر سے مارکیٹ تک کارستہ خاصہ طویل تھا۔ فرنٹ سہٹ پر اکٹروں بیٹھی زویا کو بوریت نے ستایا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر میوزک پلیسٹ آن کر دیا مگر انگلش سنگرز کی پوں پاں نے دماغ کی چٹنی ہی تو بنا ڈالی تھی۔

"آپ کے پاس کچھ اچھے اردو گانے نہیں ہیں کیا۔" وہ کہہ بنانہ رہ سکی۔

"ہیں رکو۔" کہہ کر جلال نے اپنی جیب سے ایک یواں بی نکال کر میوزک سسٹم میں نصب کی تھی۔ اور پھر پلے کا بٹن دبا دیا خوبصورت دھنوں میں بکھر اگانا حاضر خدمت تھا۔ باقی کارستہ میوزک انجوائے کرتے گزر گیا تھا۔

مارکیٹ پہنچ کر وہ زویا اور اریشہ ایک ساتھ ہی شاپنگ میں مصروف ہو گئیں تھیں جبکہ جلال اور احتشام ذرا فاصلے پہ ہی موجود تھے۔

"اتنا بڑا شاپنگ مال ہے ساری شاپنگ یہیں ایک شاپ سے کرو گی کیا تمہاری شادی ہے۔ آخر کو ورائی تو ہونی چاہیئے ہے نہ تم یوں کرو احتشام کے ساتھ زینب چوٹھانی کی کلیکشن چیک کرو اور والے پورشن مجھے ایک دواعاصم جوفا کے سوت کلیکٹ کرنے ہیں میں جلال کو اپنے ساتھ ہی لے جاتی ہوں۔" اریشہ کوہدایت دیتی بنا اسکی روایتی سانکار سنے وہ جلال کا بازو تھا میں اس شاپ سے

باہر نکل چکی تھی۔ جلال کی بازو کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیے وہ پورے مال میں گھومتی پھر رہی تھی۔ جلال کی نظریں مسلسل اس کے ہاتھوں پر جمی ہوئیں تھیں۔ اسکی قربت کا احساس تھا۔ کہ جلال کو اپنے اندر بہت کچھ بدلتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسکی سوچوں سے یکسر انجان زویا کو ایک ہی فکر ہلاکان کیے دے رہی تھی آیا کہ وہاں سب سیٹ تو تھا۔ احتشام نے بات کر لی یا نہیں۔

جلال نے ایک بار بھی ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا حق جتنا نہیں کی تھی۔ جلال کو وہ اپنی اپنی سی لڑکی بے اختیار ہی اچھی لگنے لگی تھی۔ "آئیں کرم کھائیں۔" آخر کافی دیر بعد خود ہی زویا کو اپنی بے خودی کا احساس ہوا تو شرمسار ہو کر ہاتھ ہٹا لیے اور فوراً ہی خفت مٹانے کو بولی۔

مگر بیڑا ہی غرق سامنے ہی فوڈ کورٹ پر جوں نوش فرماتے خاصے خوش خوش سے احتشام اور اریشہ پر نظر پڑی تو جان کے ہی لالے پڑ گئے تھے۔ جلال تو قدم بڑھانے ہی والا تھا۔ کہ زویا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر ایک بوتیک کی جانب کھینچ لیا۔ "یہ کتنا خوبصورت ڈریس مجھے یہ ہی چاہیے۔" اندر داخل ہوتے ہی جو پہلا لباس دکھائی دیا زویا نے اسی پر ہاتھ رکھ کر اٹل لبھ میں اپنی پسند کا اظہار کیا۔

"آریو شیور تمہیں یہ ڈریس چاہیئے زویا آئی میں یہ کلر کیساڈارک پینڈو سا کلر جو بھی پہنے دور سے ہی لاٹھیں مارنا شروع ہو جائیے۔" جلال کو تیز نیلارنگ بالکل پسند نہیں تھا۔ اس نے زویا کی پسند پر نکتہ اٹھایا۔

"ہاں تو اسی لیے تو مجھے یہ کلر چاہیئے مجھے بھی دور سے ہی لاٹھیں مارنی ہیں نزدیک تو کوئی نظر بھر کر دیکھتا نہیں دور سے ہی دکھائی دے جاؤں۔" زویا بڑھ کی تھی۔ سور دو بدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم کوئی اور رنگ نہیں پسند کر سکتیں یہ بالکل ہی اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ اب بھی مستعمل تھا۔

"ارے نہیں جب کہہ دیا یہ تو مطلب یہ ہی آپ ڈریس نکلوائیں میں آپکو پہن کر دکھاتی ہوں پھر بتائیے گا اچھا لگ رہا ہے۔" کہ نہیں مجھ پر ہر رنگ سوٹ کرتا ہے جلال صاحب رکیے میں ابھی دکھاتی ہوں آپکو۔" زویا نے لباس لیا اور ٹرائل روم میں گھس گئی جلال رسٹ واج کو بار بار دیکھتا اسکا انتظار کرنے لگا تھا۔

"یہ بیو قوف زویا بھی۔" باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ نظر اٹھی تو جھکنا بھول گئی تھی۔

تیز چمکتے نیلے رنگ کی کڑھائی والی ریشمی فرائک زیب تن کیے باریک کناری والا دوپٹہ سینے پہ پھیلائے بالوں کی چڑیاں دائیں کندھے پر ڈالے وہ کوئی اپسراہی لگ رہی تھی۔ جلال پلک جھپکنا بھول بھال کر اسے تکے چلے جا رہا تھا۔ خوبصورت تو وہ تھی، ہی مگر اس

وقت وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ ایسا دلکش روپ تھا۔ جلال بھول ہی گیا اس نے کون سارنگ پہنا تھا۔ اس نے جو بھی پہنا تھا۔ اسے بے تحاشہ نجح رہا تھا۔ اسکا سادگی سے لیس یہ قاتلانہ حسن دیکھ کر جلال کو خود اپنے آپ پر رشک سا ہونے لگا تھا۔

"کیوں کھل گیا نہ۔" زویانے اسکی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو ہو نقوں کی مانند اسے دیکھتے جلال کو ہوش آیا۔ "ہم کہاں ہیں۔" ہوش میں آتے ہی خاصہ بیو قوفانہ بیہوش طبیعت والا سوال پوچھ لیا تھا اس نے۔

"ہیں کیا کہا۔" زویا کو اسکی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

"کچھ نہیں منہ سے نکل گیا ایسے ہی ٹھیک ہے۔ تم پیک کروالو ڈریس میں پے منٹ کر دیتا ہوں۔" جلال کہہ کر کاونٹر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر نکلے تو آئیں کریم کھانے چلے آئے ویسے بھی احتشام اور اریشہ فوڈ کورٹ چھوڑ کر جا پکے تھے۔ ٹرائل روم میں زویانے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیا تھا۔

"کون سا فلیور کھاؤ گی۔" آرڈر کرنے سے پہلے جلال نے اس کی پسند جانا چاہی تھی۔

"سارے ان سے کہیں جتنے بھی فلیور ہیں ان کا ایک کاک ٹیل بنایا کر لے آئیں بلکہ میں تو کہتی ہوں آپ بھی ایسے ہی کریں ایک آدھ فلیور میں وہ بات کہاں جو آئیں کریم کے سارے فلیورز کو ملا کر کھانے میں ہے۔" اس نے اپنی پسند بتانے کے ساتھ اسے بھی مشورہ دیا تو اس نے سرفی میں ہلایا۔

"یہ آئیڈیا یا ز تمہیں ہی مبارک ہوں میرے لیے چاکلیٹ ہی ٹھیک رہے گا۔" اس نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

تحوڑی دیر بعد وہ اپنی آئس کریم سے اطف اندوڑ ہو رہے تھے۔ احتشام اور اریشہ شاپنگ میں مصروف تھے۔ زویا کی نظریں بڑی دیر سے ایک ہی جانب ٹکی ہوئیں تھیں۔ جلال نے نوٹس کرتے ہوئے نگاہیں اس کی نگاہوں کے تعاقب میں گھمائیں۔ ایک شاید نیولی میرڈ کپل ایک ہی کپ میں آئیں کھاتا دکھائی دیا تو وہ آہ بھر کر رہ گیا۔ مگر وہ کیوٹ سا کپل مسلسل زویا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جلال نے گلا کھنکارتے ہوئے اپنا کپ زویا کی جانب بڑھایا تو اس نے ناسمجھی سے جلال کو دیکھا

"تم بھی اپنی ناتمام حسرتیں پوری کرلو۔" وہ یوں بولا گویا اس پر احسان کر رہا ہو

"وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں یوں منہ پر ذلیل کرنے کی کوشش نہیں۔" زویا ٹھیک ٹھاک بر امان گئی تھی۔ جلال

سمبھلا۔

"نہیں میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی البتہ میں تو یہ کہنا چاہ رہا تھا۔ کہ ایسی بچکانہ چیپ حرکت پبلک پلیس پر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپسی محبت آپس تک محدود کر کے رکھنی چاہیئے کیوں کچھ غلط ہے کیا۔" جلال اپنا موقف بیان کر کے اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

زویا اس آدمی کو دیکھ کر رہ گئی جو رو میں کو چینیں کے زمرے میں لا کر کھڑا کر گیا تھا۔
”یہ جو آپ جیسے خشک مزاج سڑیل کھڑوں لوگ ہوتے ہیں نہ جلد بہت جلد بوڑھے ہو کر زہنی و جسمانی طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔“ زویا نے تیکھا سوار کیا تھا جلال پر۔

”تم جیسے زندہ دل خوش مزاج لوگوں کو لمبی جواں عمری کی لمبی زندگی بہت بہت مبارک ہوا بھی مجھے دیر ہو رہی ہے اس لیے چلو۔ وہ ٹشوپپر سے ہونٹ کا کنارہ صاف کرتا اٹھ کھڑا ہو تو مجبوراً زویا کو بھی اٹھنا پڑا۔
جلال ان لوگوں کو باہر سے ہی ڈراپ کر کے چلا گیا تھا۔ اسے کچھ ضروری کام تھا۔ زویا نے زبردستی اریشہ کو چائے پر روك لیا تھا۔

اس وقت وہ ڈرائیور میں بیٹھے چائے کی چسکیاں لگانے میں مصروف تھے۔ احتشام میٹھی میٹھی نظریں گاہے بگاہے اس پر ڈال لیتا تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ اچھاں کر شرما جاتی اور یہ سارا منظر زویا زیبایا کیک بین نظروں سے مسلسل ملاحظہ فرم رہی تھی۔
”ویسے اریشہ جب تم احتشام کو پسند کرتی تھیں۔ پھر کسی اور سے شادی کرنے کے لیے ہاں کرنے کی ضروت کیا تھی۔“ بڑی دیر بعد اس نے نکتہ اٹھایا اب جب سب کچھ صاف ہو چکا تھا۔ تو اس نے سوچا یہ بات بھی پوچھ ہی لے۔
بس بھا بھی بابا نے خود ہی رشتہ طے کر دیا تھا۔ اور پھر احتشام کی طرف سے بھی تو کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ ایسے میں میں کر بھی کیا سکتی تھی۔“ اریشہ نے صفائی دی۔

”اور اب تم کیا کر سکتی ہو۔“ اس رشتے کی خاطر زویا سید ہی بیٹھی اسکی آنکھوں میں جھانکتی نجانے کیا کھوجنا چاہ رہی تھی۔
”میں کچھ بھی کر سکتی ہوں ضرورت پڑی تو صاف اور سیدھے طریقے سے اس رشتے سے انکار بھی کر سکتی ہوں۔“ سب کے سامنے وہ بناؤ گمگائے پختہ لجھ میں اپنے ارادے ان پر عیاں کر رہی تھی۔ زویا مطمئن سی ہو گئی۔

”اب تم یہ بتاویہ جو تمہارا ہونے والا ہے۔ آئی میں ہوتے ہو تے رہ جانے والا۔“ زویا نے رک کر تصحیح کی پھر مزید بولی۔
”اس کے بارے میں بتاؤ کوئی بائیوڈیٹا معلومات کون ہے کہاں سے ہے کیسا ہے۔“

”امریکہ سے آیا ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ دور دراز کا کوئی رشتہ دار بھی لگتا ہے۔ گرین کارڈ کی چمک تھی۔“

”گھروالوں نے ان کے رشتہ مانگتے ہی ہاں کر دی اور مجھ پر بھی دباؤ اتنا تھا۔ میں کچھ کہہ نہیں پائی انھوں نے ہاں سنتے ہی فورا شادی کی تاریخ مانگ لی سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میرے تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آسکا تھا۔“ اریشہ ایک ایک کر کے اسے کافی دیر تک تفصیل بتاتی رہی تھی۔

”مگر ایسی بھی کیا جلدی کہ رشتہ طے پاتے ہی دو مہینے کے اندر اندر شادی فکسٹ کروادی گئی۔“ احتشام دور کی کوڑی لایا تھا۔

"بالکل وہی تو احتشام ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایسی بھی کون سی آفت ٹوٹ پڑی جو یوں آنا فانا شادی طے کر دی گئی۔" زویانے اتفاق رائے کیا تھا۔ اریشہ بھی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"وہ سب تو میں نہیں جانتی البتہ کل وہ پاکستان ضرور آ رہے ہیں اور وہ لوگ کراچی ہی آئیں گے اس لیے ہو ٹھل میں رکنے کی بجائے بابا نے انھیں شادی تک ہمارے ہی گھر پر رکنے کے لیے انوائیٹ کر لیا ہے۔" اریشہ نے ان کی معلومات میں مزید اضافہ کرنا چاہا

"شادی سے پہلے دلہن کے گھر میں بنائی رسم و رواج کی قید کے سڑ ریخ ویری سڑ ریخ مطلب لڑکے والوں کو کوئی دید لحاظ نہیں ہے۔" زویانے دور کی سیر کرتی اپنی سوچوں کی طباہیں کھینچیں چاۓ کا خالی کپ میز پر رکھا سکون کا سانس خارج کیا اور مسکراتے ہوئے بولی

"یہ تمہارا کچھ نہ ہونے والا تمہارے نہیں اب ہمارے گھر میں رہے گا آخر کو جاسوسی کا پورا موقع ملنا چاہیے مجھے بس تم دیکھتی جاو میں کرتی کیا ہوں۔" زویانے ایک نیا ہی داکھیلا تھا۔ اس شام وہ ایک بار پھر سے اریشہ کے گھر جا پہنچی تھی۔

اس نے لڑکے والوں کو بصد اصرار اپنا مہمان بنا کر چھوڑا تھا۔ لوگ کیا کہیں گے یہ لفظ پاکستان میں وہ ڈروائے جس کے استعمال سے بڑی سے بڑی بات بڑے سے بڑے شخص سے با آسانی منوائی جا سکتی ہے۔ زویانے بھی چند ایسے پینترے ہی پھیکنے تھے۔ جو کار آمد ثابت ہوئے تھے۔

ویسے بھی اتنے دنوں میں احتشام کی مہربانیوں اور زویا کی پیش قد میوں نے ان کا یقین اس حد تک تو ضرور ہی جیت لیا تھا۔ کہ وہ بنائی مزید بحث کے مان جاتے زویا آنے والے وقت کے بارے میں سوچ کر پر جوش تھی۔ اریشہ اور احتشام نروس تھے۔ مگر انھیں خود پر اور خدا پر یقین تھا۔ کوئی نہ کوئی سبیل تو بن ہی جاتی شادی میں مہض ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔

اریشہ کا مگنیٹر ولید اپنی والدہ کے ہمراہ ان کے گھر ٹھہر نے آچکے تھے۔ ولید کی والدہ انہٹائی پروقار اور سادہ خاتون تھیں۔ اماں بی سے ان کی اچھی بن رہی تھیں۔ انھیں بھی تھائی کا ساتھی مل گیا تھا۔ ولید احتشام کے ساتھ اسی کے کمرے میں رکا ہوا تھا۔

احتشام کا خون اسے دیکھ کر خواخواہ ہی کھولتا رہتا تھا۔ اماں بی سے زویانے اجازت لے لی تھی۔ یوں بھی دو چار ملاقا تین ان کی اریشہ سے ہو چکی تھیں۔ لڑکی انھیں پسند آئی تھی۔ اس کی خاطر وہ مان بھی گئیں تھیں۔

ہاں اگر کوئی بے خبری میں مارا گیا تھا۔ تو وہ تھا جلال، اسے کسی نے کچھ بھی بتانے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ یہ سب اس

کے لیے بریکنگ نیوز سے کم نہیں تھا۔

"تم پاگل ہو تو اس کا مطلب ہے تم پورا کا پورا پاگل خانہ اٹھا کر گھر پر لے آؤ گی میں پوچھتا ہوں کس کی اجازت سے تم نے تم نے یہ بن بلائے مہمانوں کو گھر میں گھسایا ہے۔ یہ میرا گھر ہے۔ میری کوئی پراؤ نیسی ہے۔ پتہ نہیں کیوں تم اسے مچھلی مار کیٹ بنانے پر تھا ہو۔"

زویا کچن میں اب کے لیے ڈنر کے بعد کافی بنا رہی تھی۔ جب وہ اسکی پشت پہ آ کر دبی دبی آواز میں دھاڑا تھا۔ ایک پل کو تو وہ لرز کر رہ گئی کافی کامگ ہاتھ سے چھوٹ کر گرتے گرتے بچا تھا۔ مگر اسے سامنے موجود پاکراں نے گھرا سانس لیا۔

"حد کرتے ہیں آپ بھی ڈرائی دیا اتنا ناک سادل ہے میرا بندہ کچھ خیال ہی کر لیتا ہے۔ ویسے آپکی اطلاع کے لیے عرض ہے۔ اماں بی سے اجازت لے لی تھی میں نے اور وہ ہمسائے ہیں ہمارے ارے ایک دوسرے کی مدد کرنے سے بندھن جڑتے ہیں اور پھر مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہماری چورنگی میں نے سب مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مدد کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔" زویا کی طرف روای چین ہی چین تھی۔ اسے سمجھانے لگی۔

"یہ تمہارے مڈل کلاس مخلوقوں میں ہوتی ہو گی ایسی نوٹنگی یہ ڈیفنس ہیں یہاں سب ایک دوسرے سے لیے دیئے انداز میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ میں بہت عرصے سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ زیادہ ہی اریشہ اور اس کے گھروں پر مہربان ہوتی جا رہی ہو اپنی امدادی آفرزنخود تک محدود رکھو گھر کو دارالامان بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" جلال پوری طرح سے اسکی حرکتوں سے بیزار چڑا ہوا تھا۔ زویا نے پیچ زور سے مگ میں پھینکتے ہوئے مگ شیلف پر پٹغا تھا۔ غصے کا جواب غصے سے دینا اسے بھی بخوبی آتا تھا۔ جلال نے کان پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے والے شور کو برداشت کیا تھا۔

"یہ مڈل کلاس اپر کلاس کے فرق میری سمجھ میں تو نہیں آتے ہمارے ہاں گھروں سے جڑے گھروں سے جڑے دل ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی کی ذہنیت سے اسکی کلاس کا اندازہ لگایا جاسکتا نہ جلال احمد آفندی صاحب تو آپ جیسا فقرہ کوئی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی خودداری پر ہوئے وار کا زویا نے بھر پور بدال لیا تھا۔

جلال کھڑا ہاں کچھ دیر مٹھیاں بھیچتا لال بھیچو کا ہوتا اسے گھورتا رہا تھا۔ مگر وہ تھی کہ چپ چاپ اسے اگنور کر کے مگن سی کافی بناتی رہیوہ وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تو پاس پڑا پیچھا اٹھا کر زویا نے تاک کر اس جگہ کا نشانہ لیا جہاں وہ کھڑا تھا۔ اے کاش وہ اب بھی وہیں کھڑا ہوتا تو زویا زور سے اسٹیک کا پیچ اس کے منہ پر دے مارتی مگر وہ جا چکا تھا۔

ولید پر مکمل چیک پوسٹ لگی ہوئی تھی۔ احتشام اسکی خاطر مداریوں کے ساتھ ساتھ اسکی جاسوسی میں بھی شدت سے مصروف تھا۔ مگر اب تک تو کچھ ہاتھ نہیں لگا تھا۔ الاؤہ بڑا ڈائیسینٹ اور صوبر سا شخص لگا تھا۔ انھیں اور وقت تھا کہ پر لگا کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ ایک دن اور گزر چکا تھا۔ تم کسی کام کے نہیں ہو احتشام تمہارے غم میں گھل گھل کر مجھے ساری رات نیند نہیں آئی اور تم ہو کہ یہاں منہ لٹکائے بیٹھے ہو میں تو کہتی ہوں اگر نہیں نکلتا کوئی جرم تو دو چار ایف آئی آر ہم اپنی طرف سے کاٹ لیتے ہیں گواہ اور ثبوت بھی گھٹر کر پیش کر دیں گیں آخر میں سب نے یقین تو ہم پر ہی کرنا ہے۔ ملزم سے تو اس معاشرے میں مجرم ثابت ہونے کے دورانیے تک کوئی صفائی بھی نہیں مانگتا سب بس اس کے منہ سے اعتراف گناہ سننا چاہتے ہیں۔ زویا کے پاس شارت کٹ کا آپشن ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

"نہیں بھائی کہتے ہیں سچ اور سچائی کا راستہ کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے یہ راستہ ہمیں وہاں تک لے جاتا جہاں ہمارا اصل ہماری ذات کی حقیقت پہنچا ہوتی ہے۔"

"ایک تو میں تمہارے بھائی سے بہت تنگ ہوں انتہائی کوئی اپنی ہی قسم کا ڈھیٹ انسان ہے وہ۔" زویا پہلے اس سے اکتا ہوئی تھی۔ احتشام نے اسکا زکر کر کے منہ ذائقہ اور بھی کر کر دیا تو وہ وہاں سے بھی اٹھ آئی لاونچ میں ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس ٹی چینل کا پوسٹ مارٹم کرتا ولید مل گیا تو وہ آستینیں فولڈ کرتی خود ہی محاذا پر نکل کھڑی ہوئی "گڈ مارنگ۔" مسکرا کر اسے صحیح کا سلام پیش کرتی وہ اس کے عین سامنے والے صوف پر بیٹھی تھی۔ تاکہ گفتگو کے دوران نظر اس کے چہرے پر بھی ٹکا سکے۔

"تو پاکستان آکر کیسا لگ رہا ہے آپ کو۔" شروعات روایتی سوال سے ہوئی تھی۔

"سچ پوچھیں تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت کا سند کیسٹرنگ انو سند ہیں۔ جبکہ ادھر ادھر تو اور ہی قسم کی خبریں مشہور ہیں۔" ولید اس سے بات چیت میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسے پہلے ہی جواب پر اندازہ ہو گیا تھا۔

آج جلال آفس لیٹ جانے والا تھا۔ مگر جاگ ضرور چکا تھا۔ سامنے سے ہی سیڑھیاں پھلانگتا آتا دکھائی دے گیا تھا۔

"نہیں نہیں ولید اتنی جلدی نہ کیجیئے کوئی بھی حتمی رائے دینے میں یہاں سچ میں بڑے بڑے دہشت پھیلانے والے انسان پائے جاتے ہیں۔ مگر بظاہر شکل ایسی کہ بوجھو تو جائیں۔ صاف سیدھی چوٹ جلال پر تھی۔" وہ سمجھی نا سمجھی کے عالم میں وہیں رک چکا تھا۔

"مثلا جیسے کہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ کون دہشت پھیلانے والا ہے اور کون معصوم۔" ولید نشاندہ ہی کی علامت جاننا چاہتا تھا۔ زویا نے ولید کی پشت پر جے کھڑے جلال کا بغور معاشرہ کیا ہلکی بڑھی ہوئی شیو گھنے سیاہ بننا جمیل کے بھی قرینے سے سر پر

سیٹ ہوئے بال ٹراوزر شرٹ میں تو ان مرد لگتا گندمی رنگت سیاہ سادہ مگر پر کشش آنکھیں وہ سو کر اٹھا تھا۔ ابھی فریش نہیں ہوا تھا مگر اس حلیے میں بھی اس کے چہرے سے تازگی و شادابی پھوٹ پڑ رہی تھی۔

زویا کو دل کھینچتا سا محسوس ہونے لگا بڑی ہی مشکل اس نے دل میں امّتے جذبات کو ناراضگی کی تھکنی دے کر سلا یا تھا۔

"بہت سی نشانیاں ہوتی ہوں گی یہ میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گی فی الحال تو آپ مجھے بتائیے پاکستان میں شادی کا منصوبہ آپ کا تھا۔ یا پھر گھر والوں کی خواہش۔" زویانے بات کا رخ بدلا تو جلال بھی سر جھکلتا کچن میں کہیں غائب ہوا اسے اٹھتے ہی فریش جو سپینے کی عادت تھی۔ اور آجکل وہ خود ہی اپنا یہ شغل پورا فرمانا پسند کرتا تھا۔

"پہلے گھر والوں کی اور اب شاید میری بھی مجھے بھی اب یہ ہی لگتا ہے۔ مشرقی عورت دنیا کی بہترین عورت ہوتی ہے۔ وہ رشتقوں کو سمجھتی ہے۔ ان کو ویلو کرتی ریسپیکٹ دیتی ہے۔ اپنے کسی بھی ذاتی مفاد سے عزیز تر اسے اپنا گھر پیارا ہوتا ہے۔" زویا کو اس کا میلپیمینٹ پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ مگر نہ جانے کیوں اس کے اندر کوئی ٹیکس سی اٹھی تھی۔

"تو یوں کہیں نہ کہ مشرقی عورت قربانی کا واحد پتلا ہے۔" اس معاشر میں لمحے میں تلمی خود بخود ہی گھل گئی تھی۔

ولید کا نشیس ہوا۔ "دیکھیے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"آپ کو شاید کچھ برالگ گیا معافی چاہتا ہوں۔ اس نے فوراً سے پیشتر معذرت طلب کی تو زویا بھی اجنبی شخص کی موجودگی کا خیال کر کے مسکرا دی۔

"اُرے نہیں آپ تو امریکہ پلٹ ہیں۔ گلہ تو اپنوں سے ہے۔ اپنا مرد ہی جب کبھی کسی بات پر کمپر و مائز نہیں کرتا اپنی ہی عورت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو عورت کو افسوس تو ہو گا مگر چھوڑیں ہم یہ کیا لاحاصل گفتگو لے کر بیٹھ گئے۔" زویانے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔

"نہیں مس زویا کوئی بھی بات لاحاصل نہیں کہلانی جاسکتی حاصل محسول توہربات کا ہوتا ہے۔ ہاں لیکن ملنے والا سبق سیکھنے کی تگ و دو میں ہونا شرط ہے۔"

"ویری گذ کافی اچھی باتیں کر لیتے ہیں آپ تو ویسے ڈاکٹر ہیں آپ آپکا آدھا کام تو اچھی گفتگو سے ہی ہو جاتا ہو گا۔" زویا ہلکے پھلکے انداز میں ہنسنے ہوئے بول رہی تھی۔ جب جلال جوں کا گلاس ہاتھ میں لیے کچن سے برآمد ہوا تھا۔

ولید بھی اسکی بات پر مسکرا رہا تھا۔ اس بات سے قطعی بے خبر ان دونوں کی یہ مسکراہٹ جلال احمد کو کتنی جلاتڑ پا اور اسما رہی تھی۔ کہ وہ اس نووارد کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دے۔

مگر اتنا بے مرمت اور بد لحاظ بھی بہر حال وہ نہیں تھا۔ صبر کا گھونٹ بھر کر تیاری کر کے آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ اسے

بہت دیر گپیں لڑانے کے بعد اسکی اچھائی پر ولید کو دل ہی دل میں لعن طعن کر کے زویا اماں بی کے کمرے میں موجود اب ان کے ساتھ ساتھ شازیہ آنٹی کوارڈ و ادب پڑھ کر سنارہی تھی۔

"بڑی ہی سعادت مند بھولی بھالی سی پیاری بھوہ ہے۔ آپکی سچ میں اگر ولید ضد کر کے ہو ٹل میں ہی رکتا تو کہاں نصیب ہوتا مجھے یہ خاص پاکستانی گھر جیسا ماحول میرا تو جی خوش ہو گیا آپ سب سے مل کر۔" کسی بات پر خوش ہو کر شازیہ آنٹی نے زویا کی تعریف کی تو اماں بی کا سینہ فخر سے مزید چوڑا ہو گیا تھا۔ زویا کو بھی اندر ہی اندر خوشی تو بڑی ہوئی تھی۔ لیکن بظاہر وہ خود کو انجان ہی شوکرواتی رہی تھی۔

وہ کل رات سے ٹھیک طرح سے نہیں سوئی تھی۔ ڈنر کے فوراً بعد بستر پر پھیل کر دراز ہوئی اور خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگیں دوسری طرف ایک اور دن اکارت جانے پر احتشام کا چین سکون قرار سب اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اوپر سے اریشہ بھی بار بار فون کر کے اسی سے سارے رونے رو رہی تھی۔ اور ولید تھا۔ کہ اسے کراچی گھونمنے کا شوق چڑھا تھا۔ اب احتشام انکار تو کرنہ نہیں سکتا تھا۔ سو کل کادن آوارہ گردی کے لیے زویا کے مشورے سے مختص کر لیا گیا تھا۔ اس میں بھی اسکا یقیناً کوئی پلان ہی ہو گا احتشام مطمئن تھا۔

جلال دن بھر کا تھکا ہارا کمرے میں داخل ہوا توپورے بستر پر وہ آڑی ترچھی قابض دکھائی دی۔ نیند نے اس کے خوبصورت چہرے پر سادگی کے ساتھ ساتھ معصومیت کا بھی ایک منفرد ساتا ثرا قائم کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑنے کی دیر تھی۔ جلال کو گا اس کی ساری تھکان پل میں غائب ہو گئی ہو وہ چلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا تھا۔

زویا کے چہرے پر اسکی سیاہ زلفیں بکھری ہوئیں تھیں۔ وہ جھک کر گھٹنوں کے بل اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گیا اپنی انگلی کی پوروں سے اسکے نازک گلابی گالوں پر سے ایک ایک کر کے بالوں کی لٹیں ہٹانے لگا تھا۔ بے اختیار ہی اپنے حدت دیتے ہو نہیں سے اسکا ما تھا چھو لیا تھا۔ محبت کے ادراک کا وہ لمحہ نہایت دلکش تھا۔ اپنی اس بے اختیاری بے قراری پر وہ خود ہی مسکرا کر خود کو سرزنش کرنے لگا تھا۔

زویا نے کسماسا کر کر وٹ بدی تو دم سادھ گیا اپنی اس چوری کا پتہ وہ خاص وقت آنے پر ہی اسے دے گا اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو تو زویا کی قمیض کی آستین کا دھاگہ جلال کی گھٹری میں اٹک گیا جیسے قدرت بھی بس اب ان دونوں کا ملن چاہتی ہو جلال نے رک کر احتیاط سے دھاگہ اپنی گھٹری سے جدا کیا اور اپنی زندگی میں آئی صبح کی پہلی کرن جیسی اس لڑکی کی سویر کا انتظار کرنے لگا تھا۔ آج کی رات پھر صوفے پر کٹی تھی۔ مگر اس بار درد کمر میں نہیں دل میں اٹھتا رہا تھا۔

صبح جب کومار نگ واک کر لوٹا تو زویا چائے پیتی دکھائی دی۔

"ایک گلاس پانی پلا دو۔" صوف پر گرنے کے دے انداز میں بیٹھتے ہوئے ایک بھر پور سانس خارج کرتے اس نے سامنے بیٹھی زویا سے فرمائش کی تھی۔

مگر وہ چپ چال بیٹھی چائے نوش فرماتی رہی جلال پر سوچ نظر وں سے اسکا جائزہ لیا۔ شکل پہ تو کون میں کون والا ایکسپریشن تھا۔

"میں نے غالباً کچھ کہا ہے۔" آپ سے جلال کو کھد بد ہوئی آخراب کیا ہو گیا تھا۔ ساری رات تو وہ انتظار کرتا رہا تھا۔ کب دن چڑھے اور کب وہ اسکی میٹھی چاشنی میں ڈوبی آوازنے اور ایک وہ تھی۔ کہ پوری ہی سنگدل محظوظ تھی۔

"لئے دیئے رہنے کی پر کیکٹس کر رہی ہوں اس لیے کسی بھی فیور کی امید آپ مجھ سے تو بالکل مت رکھیں۔" دانت کچکچا کر کہا گیا تھا۔ ابھی جلال جواب میں کچھ کہتا ہی کہ نکھر ادھار فریش ساولید آتا دکھائی دے گیا جلال کی بات منہ ہی میں رہ گئی۔

"اسلام علیکم۔" اس نے آتے ہی انھیں صحیح کا سلام پیش کیا تھا۔

"و علیکم اسلام! آئیے ولید تشریف رکھئے بتائیے کیا لیں گے آپ ناشتے میں۔ اماں بی اور شازیہ آنٹی تو حلوہ پوری سے انصاف کر چکی ہیں اب اگلی فرمائش آپکی۔" زویا نے خوشدی سے اسے ولیم کرتے ہوئے ناشتے کا پوچھا تھا۔ جلال لب بھینچ کر رہ گیا۔ اسے زویا کا ولید پر مہربان ہونا شدید ناگوار گزر رہا تھا۔

"نہیں مجھے تو آپ پاکستانی دیسی گھنی میں ڈوبے پر اٹھے کھلانیں۔" وہ صوف پر فرصت سے بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے فرمائش کرتا جلال کو زہر لگا تھا۔

"احتشام کہاں ہے۔" جاتے جاتے زویا نے پلت کر پوچھا "وہ موصوف تواب تک سور ہے ہیں ولید کا کہنا تھا۔" کہ زویا کو شدید تاؤ آیا اس کے حالات تو مر جانے کو ہونے چاہیئے تھے۔ یہ بھلا وہ کیسا عاشق تھا۔ محبوبہ کے مایوں بیٹھنے کے روز لمبی تانے سویا پڑا تھا۔ اس نے خانسماں کو پر اٹھے بنانے کا کہہ کر سیدھا احتشام کے کمرے میں دھاوا بولا تھا۔

وہ کمبل تانے چت لیٹا ہوا تھا۔ مگر اس پر جھٹپٹ سے پہلے ہی اس کی نظر سے ایک ایسی چیز گزری تھی۔ مجبوراً لٹھٹھک کر اسے رک جانا پڑا تھا۔

ان کے آوٹنگ کا پروگرام سن کر آفس جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے جلال کے سر میں اچانک ہی کہیں سے درد اٹھا تھا۔ بڑی سے بڑی بیماری کو در گزر کر کے ہمیشہ اپنے کام کو اولیت دینے والے جلال نے آفس سے چھٹی کر لی تھی۔

"یہ اتنی ذرا سی بات پر بھائی نے چھٹی کس طرح کر لی۔" احتشام اچھنے کے کاشکار تھا۔

"تم تو ہو ہی ہڈ حرام چاہتے ہو میر امیاں کمائیاں کر کر کے تم ویلے کو عیش کروائے۔" زویانے الشا سے ہی لتاڑ دیا۔

"واہ واہ بہت خوب کہی بھا بھی صاحبہ آپکی اطلاع کے لیے عرض ہے۔ 40% پر سنت کمپنی میں میرے شریز بھی موجود ہیں کسی غلط فہمی میں مت رہیے گا۔" احتشام نے اسکی انفار میشن میں اضافہ کرنا چاہا۔

"اصل مول محنت کا ہوتا ہے۔ اور ساری کی ساری محنت تو میرے میاں کرتے ہیں۔ بچاروں کی بزنس سنبھالتے سنبھالتے سہانی سی زندگی کا رو مینٹک ترین دور ہی تیز رفتاری سے نکل گیا ورنہ اب تک تو جلال احمد آفندی کو بابا بابا کہہ کر پکارنے والوں کی لمبی لائے لگ چکی ہوتی مگر ایک تم امیر لوگوں کے چونچلے۔ بچہ ایک ہی اچھا کی تدبیر پر سارا عمل تم ہی لوگوں کو کرنا ہوتا ہے۔ کم از کم بھی تین چار سائز کے الگ الگ بچے ہونے چاہئے اور کچھ نہ صحیح نہ بھی سیر و کیل ڈاکٹر اور فیشن ڈیزائنر تو گھر کا ہونا چاہئے پر خیر ایسی شاندار ذاتی سہولت خود کو مہیا کرتے کرتے بھی تو عمر ہی بیت جاتی ہے۔ اور اب تو جلال صاحب ویسے 36 یا 37 کے ہو گئے ہیں کم از کم۔" زویا بولنے پر آتی تو سوچتی بالکل نہیں تھی۔

"چوتیس صرف اور صرف چوتیس سال کا ہوں میں۔" پیچھے سے بڑی ہی مدرسہ ٹھہرے ٹھہرے لجھ میں آواز آئی تھی۔ زویا کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ سامنے وہ کھڑا دکھائی دیا جو جانے کب سے اس کی کون کون سی گوہ رفتائی سن رہا تھا۔

"میرے لیے چائے بھجوادو اماں بی کے کمرے میں۔" جلال صحیح کے ٹکے سے جواب کے باوجود اسے کچھ نہ کچھ کام بتانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ حکم صادر کر کے وہ چلا گیا تو احتشام کی کنٹرولڈ ہنسی آزاد ہوئی۔

"ہنس لو بچے ہنس لو جب تمہاری اریشہ ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہو گی تب پوچھوں گی میں تم سے یہ تم جیسے ہی عاشق ہوتے ہیں جو محبوبہ کی براءت میں کر سیاں لگانے لا اُت رہ جاتے ہیں۔" زویا اسے وارن کر رہی تھی۔ احتشام سنجیدہ ہو گیا تھا۔ مگر زویانے خاص توجہ نہیں دی تھی۔

ویسے بھی جلال کے لیے چائے بنانی تھی۔ وہ وہاں سے چلی گئی چائے اس نے خود ہی بنائی تھی۔ ویسے بھی وہ آ جکل کچن میں وقت گزارنا کچھ ذیادہ ہی پسند کر رہی تھی۔ چائے کا کپ ٹرے میں رکھے وہ خود ہی اماں بی کے کمرے میں چلی آئی چائے اس نے خود جلال کو پیش کی تھی۔ جو وہیں بیٹھا اماں بی سے سر کی چپی کروارہا تھا۔

ایک مسکراہٹ اسکی جانب اچھال کر گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔

"اونہوں پھیکی چائے ہے بالکل۔" اس نے منہ کے برے سے زواییے بنایا کروہیں کھڑی زویا کو کپ واپس تھما یا۔

"ہیں میں نے اتنی تو چینی ڈالی تھی۔" اس نے جیر ان ساہو کر کپ لبوں سے لگایا ٹھیک تو ہے۔ وہ منمنائی

"اچھا لاؤ دو واپس۔" جلال نے فنا فتھی کپ واپس لے لیا کہیں وہ چائے لے ہی نہ جائے۔ زویانے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے۔ جلال نے اسے بڑے سٹائل سے آنکھ ماری، زویا منہ کھولے اسکی پشت پر اماں بی کو دیکھ کر رہ گئی جو مگن سی جلال کے سر کی ماش کرنے میں مصروف تھیں۔

"اماں بی چھوڑیں نہ آپ تھک گئی ہوں گی زویا کر دیتی ہے نہ مساج۔" جلال نہیں چاہتا تھا کہ زویا ولید اور احتشام کے ساتھ باہر جائے کوئی بھی بہانہ کر کے اسے مصروف کر دینا ضروری تھا۔

"پرمجھے تو باہر جانا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی کہ اماں بی نے ایسی خشمگیں نظر وہن سے گھورا وہ چپکی ہو رہی۔

"بہو کسی بھی مہمان نوازی سے ذیادہ ضروری تمہارے شوہر کی طبیعت ہونی چاہیے یہ جو سیر سپاٹوں کے پروگرام ہیں یہ بعد پر ملتی کر ڈالو ابھی بس اپنے مجازی خدا کی خدمت کرو اور جنت کماو۔" انہوں نے خاص تلقین کی تو وہ بادل نخواستہ کرے میں موجود موڑھے پر آبیٹھی جلال فرش پر بیٹھیا ہوا تھا۔ کھسک کر اس کے قریب ہو لیا اماں بی بیچاری چل تو سکتی نہیں تھیں۔ وضو میں تھیں، ہی وہیں بیٹھے بیٹھے چاشت کی نماز ادا کرنے لگیں

زویا کا مود خراب ہو چکا تھا۔ چپی کے نام پر بڑی بے دردی سے اسکے سر کو گڑھ رہی تھی۔

جلال اسوقت کو پچھتا یا جب اس نے اس سے ایسی فرمائش کی تھی۔ جلال نے مضبوطی سے اس کی دونوں کلائیاں اپنے ہاتھوں میں جکڑیں اور مڑ کر بیچارگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"جنت کماو بی جنت شوہر پر اس قسم کے تشدد سے جنت ایک خواب اور جہنم واجب ہو جاتی ہے۔" مدھم آواز میں کہا گیا تاکہ اماں بی کے کانوں تک آواز نہ پہنچ پائے۔

"شوہر آپ جیسا ہو تو میرے خیال سے مدارت ایسی ہی ہونی چاہیے۔" زویانے ہاتھ چھڑانے کی ناکام سی کوشش کی مگر گرفت اور بھی مضبوط ہو گئی۔

"اچھا اتنا ہی ظالم جابر انسان ہوں میں تو کیوں رہ رہی ہو میرے ساتھ پھر۔" جلال نے اپنے شکنجے میں لے کر اسکی کلائی مروڑی تھی۔ زویا کر اہی۔

"بیو قوف تھوڑا ہی ہوں جو یوں اچھے خاصے امیر کبیر آدمی کو کسی اور کالقمه بننے کے لیے چھوڑ دوں گی مانا کہ ہمدرد طبیعت کی مالک ہوں لیکن اتنی بھی فراخ دل نہیں ہوں۔" زویا کے توجوں میں تھاوہ ہی زبان پر بھی تھا۔

"کیسی ہو تم صاف ہی میرے منہ پر ایسی بات بول رہی ہو لوگ تو چھپا چھپا کے مر جاتے ہیں اپنی اصل نیت عیاں نہیں ہونے دیتے۔" جلال نے ایک جھٹکے سے اسکی کلائیاں آزاد کرتے ہوئے دھیما سا مسکرا کر اس کے سچ کو اپریشید کیا تھا۔

"لواس میں کیا برائی ہے۔ آپ کے لیے تو یہ اعزاز کی بات ہونی چاہیئے یہ دولت شہرت جاہ و جلال آپ کا اعزاز ہے ایک وافر خوبی ہے۔ اور میری خواہش تمباں سہولت کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے میں ایسی بھی نامعقول نہیں کہ جائیداد دیکھ کر کسی کے ساتھ بھی زندگی گزار دوں کچھ تو خوبیاں آپ میں بھی دیکھی ہیں میں نے اچھے خاصے شوپیں قسم کے انسان لگتے ہیں اپنی سہیلیوں پہ دھاک بھی اچھی بیٹھتی ہے۔ اگر کسی جگہ آپ جیسا بندہ ساتھ ہوتے تو۔" زویا ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ اور صاف گوئی دکھانے پر تلی ہوئی تھی۔

"شوپیں ٹھیک کا۔" ہونق بنے جلال کو تو سمجھہ ہی نہیں آئی، اپنی جانب سے تو وہ خود کو بڑا ہی سادہ و بے ضرر سماں سمجھتا تھا۔ پھر یہ زویا کیا کہہ رہی تھی۔

"شوپیں بھی ٹپ ٹاپ بینڈ سم فیر اینڈ ٹال ہونے کے ساتھ ساتھ آپکی شکل پر ہر وقت جور عب دبدبے کے ایکسپریشن چھائے رہتے ہیں وہ اضافی بونس پر سنلٹی ایسی کہ مانو شکل پر خبردار کا بورڈ چپکا ہو بندے آپ بڑے کمال کے ہیں پر فیکٹ ہسپینڈ مظریل۔" زویار ٹو طو طے کی طرح اسے اسکے اوصاف انگلیوں پہ گناوار ہی تھی۔

جلال کو اندر وہی خوشی ہوئی تھی۔ یعنی کوئی تھا۔ جو اسکی ذات کا اتنی باریک بینی سے تجزیہ کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا تھا۔ فارغ وقت میں یقیناً زویا اس کے بارے میں کافی سیکنی سے سوچتی رہتی تھی۔

"مگر یہ جو بلا وجہ ہر معاملے میں ناک گھسیر نے کی عادت ہے نہ آپ جناب کی وہ بہت ہی زہر لگتی ہے مجھے اور غصہ تو ایسے دکھاتے ہیں جیسے چنگیز خان کی نسل کے آخری چشم چراغ ہوں آپ پتہ بھی ہے آپکو لئے دہشت ناک دکھائی دیتے ہیں آپ اس وقت توبہ ایسے مردوں کا ایک پر ابلم ہوتا ہے نہ تو خود نارمل زندگی گزارتے ہیں نہ ہی خود سے مسلک لوگوں کو چین کی سانس لینے دیتے ہیں۔" ابھی جلال کی خوشی پوری بھی نہ پائی تھی کہ اس نے مزید گوہر افشاٹی کی وہ اپنا سامانہ لے کر رہ گیا وہ شاید اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر جلال آنا فانا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا یہ کیا ناراض ہو کر گئے ہیں اس کے بگڑے تیور دیکھ کر زویا نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کتنی ہی دیر وہ حیرت سی حیرت میں ڈوبی بیٹھی رہ گئی تھی۔

سارے کراچی کی خاک چھان کر آگیا ہوں میں اس رقیب کے ساتھ حد ہے کسی بات کی یہ آدمی ہے یا کوئی خصوصی مخلوق ایک چھوٹی سی بھی ایسی حرکت نہیں کرتا جسے لے اس پر شک و شبہ کا اظہار جاسکے احتشام رات گئے لوٹا تھا۔ اور اب زویا کے ساتھ لالاں میں بیٹھا ٹکس رہا تھا۔

"تم سے کچھ ہو گا بھی نہیں۔" زویانے کا جو کاٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے بڑے سکون سے کھا تو احتشام کو مزید آگ لگی۔
"بس یہ سارے پلان یوں بھی فلاپ ہیں میں نے سوچ لیا ہے۔ اب جب زندگی میں اتنی ہمت دکھائی لی ہے اریشہ سے دل کی بات کر لی ہے۔ اب میں پچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں میں نے سوچ لیا ہے۔ ہم اب کورٹ میرج کر لیں گے۔" احتشام نے اپنا مضموم ارادہ ظاہر کیا۔

"ارے نہیں پا گل ہو گئے ہو کیا اریشہ کی شادی طے ہو چکی ہے۔ کس قدر بدنامی ہو گی اسکی اور اس کے گھر والوں کی ایسی جگہ ہنسائی کا تحفہ دو گے اب تم اپنے پڑوسنیوں کو۔ کا جو کھانا چھوڑ کر زویانے شاکی نظر وہ اسے دیکھا تو وہ نظریں چراغیا۔
آپ اور بھائی نے بھی تو کورٹ میرج کی تھی۔ پھر آخر میرے اس قدم پر بھائی کو کیوں نکر اعتراف ہونا چاہیئے۔" بات بات پر دہنے والے احتشام میں محبت کی خاطر لڑ مر نے کا حوصلہ آتے دیکھ کر زویا کو اچھا لگ رہا تھا۔ وہ جو اسے حقائق بلکہ اسکے مسائل کا حل بتانے والی تھی۔ کچھ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا اچھا ہے اسکا جوان خون بھی جوش مار ہی لے ایک مرتبہ سوچ کا اس نے لطف لیا تھا۔

"تمہارے بھائی کا اور میرا قصہ الگ ہے۔ میرے دروازے پر بارات کھڑی تھی۔ لیکن ان میں لوگ صاحب عزت ہرگز نہیں تھا۔ ہٹلر نے زندگی میں پہلی مرتبہ عقل اور نیکی کا کام کیا ہے۔ اسیے اس پر تم خوش ہو جاؤ اس بات کا طعنہ بناؤ کر کبھی ان کے منہ پر مت دے مارنا خدارا ان سے برداشت نہیں ہو گا، ہی بات تمہاری تواب تک میں نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔ کم از کم اتنا بھروسہ تو ہونا چاہیئے تمہیں مجھ پر میں کہہ رہی ہوں نہ یہ شادی نہ صرف کینسل ہو گی بلکہ اسی تاریخ پر اریشہ تمہارے ساتھ رخصت بھی ہو گی۔
اب پیزیز میرے سر پر سوار مت ہو جاو جا کر اریشہ سے لمبی لمبی فون کالز کرو اور ہنی مون پلانگ میں میرا اور جلال کا ٹکٹ بھی ساتھ ہی کٹوالینا ورنہ تو کوئی چانس نہیں ہمارا۔" اس نے جاتے ہوئے احتشام کے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔ مڑ کر پیچھے دیکھتے احتشام کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ رقص کر گئی تھی۔

"اے کاش تجھے ایسا اک زخم جدا ہی دوں

جب ٹیس کوئی چمکے میں تجھ کو دکھائی دوں"

پیچھے چاند کی روشنی میں بیٹھی زویا اپنے کمرے کی کھڑکی کی جانب منہ کر کے بڑے زور سے گلنگائی تھی۔ مگر جلال تواب تک سوچ کا ہو گا سوچ کر اس نے چاند کو حسرت بھری نظر وہ دیر تک دیکھا۔ کمبخت وہ بھی پورا تھا۔

دو دن مزید بجلی کی رفتار سے سر کے اور آج وہ دن آئی پہنچا جب اریشہ کی مہندی تھی۔ زویانے پیلے شرارے پر گریں

کرتی زیب تن کر رکھی تھی۔ کھلے بال لائیٹ سامیک اپ کانوں میں جھولتے بس سے ہم رنگ جھمکے دوپٹے سے بے پرواہ ہائی ہیل پہنے وہ آئینے کے سامنے خود کو آخری ٹھج دے رہی تھی۔

اس نے ڈرینگ ٹیبل پر رکھے جلال کے طرح طرح کی امپورٹیڈ پرفیوم کلیکشن کو ٹھول کر چیک کرنا شروع کیا۔

"چینل فائیو" ایک نام پر آکر وہ رکی شاندار سٹائلش بوتل میں سے بالکل وہی خوشبو امڑہی تھی۔ جو اکثر پیشتر جلال کے کپڑوں سے پھوٹتی زویا کی شام جاں کو معطر کر جایا کرتی تھی۔

جس وقت اس نے شیشی کا ڈھکن کھول کر بڑا ہی بے دریغ طریقے سے پرفیوم خود پر سپرے کیا اسی وقت جلال تو لیے سے بال خشک کر تاڑا اوزر اور بنیان پہنے با تھر روم سے برآمد ہوا تھا۔ زویا کو دیکھ کر رک گیا وہ بلاشبہ ایک بار پھر تعریف کے لائق بے پناہ حسین دکھائی دے رہی تھی۔

"اوہ ایک تو میرے سامنے یوں ادھ ننگے ہو کر گھونمنے سے آپکو شرم بالکل نہیں آتی۔ ویسے تو کبھی ہاتھ تک نہیں لگاتے کوئی تو مردا نگی دکھاتا ہی ہے بندہ پر مجال ہے۔ جو کبھی فلمی فیلنگ لینے دی ہو زندگی ہی سڑ سڑا کر رہ گئی ہے میری تو۔" زویا یوں بے باکانہ اپنی رائے کا اظہار خر سکتی تھی۔ جلال کو بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔

وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب چلا آیا ہاتھ سے پکڑ کر اس زور سے کھینچا وہ کراہ کر اس کے سینے سے آگئی جب تک زویا کو سمجھ آئی دیر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بازو مضبوطی سے اسکی کمر کے گرد جمائیل کر چکا تھا۔

اس کے چہرے پر یوں جھکا کہ زویا کو اس کی سانسیں سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ دم سادھے ہر اس اہم ہو کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھاڑے اسے ٹکنے لگے جیسے اس کے ہونے کا یقین ہی نہ کر پا رہی ہو۔

جلال نے اس کے لپ اٹک سے بچے ہو نٹوں کو فوکس میں لے کر اپنا چہرہ اسکے اور بھی بے حد قریب کر لیا زویا نے زور سے کس کر آنکھیں مچ لیں ایک دو تین کئی ساعتیں گزر گئیں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ زویا نے ایک آنکھ کھول کر سامنے دیکھا۔ تو وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال دکھائی دے رہا تھا۔

زویا اسکی شارت سمجھ چکی تھی، شدید تاؤ میں آکر پوری قوت سے اس نے جلال کو سینے پر ہاتھ رکھ کر خود سے دور دھکیلا تھا۔ وہ اڑ کھڑا کر بمشکل ہی سنبھل پایا۔

"فتنے منہ ساری میچنیشن کا بیڑا غرق کر دیا کھودا پھاڑ انکلا چوہا اور میں نے سوچ لیا کیا ہی کمال ہوا کہ زویا جلال کی زندگی میں بھی رومانس کا ترکا لگ گیا۔" وہ اگ بگولا ہوتی بڑ بڑا رہی تھی۔ اور بڑ بڑا ہٹ بھی ایسی جسے جلال بخوبی سن سمجھ رہا تھا۔

"اتنے دن سے جو تمہیں ہاتھ نہیں لگایا تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کیسے شریف نفس انسان سے واسطہ پڑا ہے تمہارا ناقدری

لڑکی۔ ”جلال نے اب کے تاسف سے سر دائیں باعثیں ہلا کر اس کی عقل پہ ماتم کیا۔

”تھوڑی شرافت باہر والیوں کے لیے سنبھال کر رکھ لو جلال احمد ساری سادگی مخصوصیت شریف النفی بیوی کے لیے ہی بچی ہے تمہارے پاس۔“ اس نے کلس کر جواب دیا اور بیڈ پر پڑا اپنا ریشمی دوپٹہ اٹھا کر طریقے سے سینے پر پھیلا کر ٹک ٹک کرتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی جلال صوف پر گر کر سرد آہ بھر کر اسے جاتا دیکھتا رہا تھا۔ پھر اپنی جیب سے کچھ ٹول کر برآمد کیا اور آنکھوں کے سامنے لا کر مسکرانے لگا۔

اس نے زویا کے لیے کل ہی ڈائیٹرنس خریدی تھی۔ وہ خود اسے پہنا کر اپنے طریقے سے پرپوز کرنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی صرف زویا کو ستارہ رکھتا تھا۔ زویا اس رشتے کو کہیں کہیں دل ہی دل میں قبول کر چکی تھی۔ اب بس دل کا راز لبوں تک آنے کی دیر تھی۔

وہ آج اریشہ کی مہندی پر انوائیڈ تھے۔ سوڈھیر سارے خواب آنکھوں میں سجائے وہ فی الحال صبر کا دامن تھامے وہ تیار ہونے لگا تھا۔

اریشہ کے گھر جلال اور زویا ایک ساتھ داخل ہوئے تھے۔ اماں بی سوچکیں تھیں۔ مہندی کا فنکشن لمبا چلنے والا تھا۔ اس لیے انکھوں نے شازیہ آنٹی کے شدید اصرار کے باوجود شادی والے روز شرکت کرنے کا وعدہ کر کے آج کے آج کے لیے معذرت کر لی تھی۔ احتشام تو عصر کے وقت سے ہی حمید انکل کے ساتھ طرح طرح کے کام نبیٹا رہا تھا۔

مہندی کا فنکشن اریشہ کے گھر کے لان میں ہی منعقد ہوا تھا۔ البتہ برات کا استقبالیہ شہر کے معروف میرج ہال میں ہونا قرار پایا تھا۔ وہ جو نہیں اندر داخل ہوئے وہاں موجود کئی لوگوں کی رشک ذدہ نگاہیں ان کی جانب اٹھنے لگیں تھیں۔ زویانے جلال کی توجہ دلائی۔

”دیکھا میں نے کہا تھا۔ ہم مل کر چاند سورج کی جوڑی بن سکتے اچھے خاصے بچتی ہوں میں آپ کے ساتھ۔“

”اپنے منہ میاں مٹھو۔“ اسکی سرگوشی پر جلال نے طنز کیا تو وہ اس پر چار حرفاً بھیج کر گھر کے اندر چلی آئی ملازمہ سے اریشہ کے کمرے کا پتہ پوچھ کر وہ جو نہیں اندر داخل ہوئی احتشام اریشہ کا ہاتھ تھامے اسکے آنسو صاف کرتا دکھائی دیا کسی کو آتے دیکھ کر وہ دونوں چونک کر خوفزدہ ہوئے تھے۔ مگر زویا کو پہچان کر ان کے تنے سانس پھر سے بحال ہوئے تھے۔

زویانے دروزہ احتیاط سے بند کر کے لاک کر دیا۔

”پاگل ہو گئے ہو تم دونوں اگر یہاں ابھی میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جانتے ہو کتنی مصیبت ہو جاتی لینے کے اللادینے پڑ جاتے

سارے کیے کرائے پر پانی ہی پھر جاتا۔ "اس ان کی کلاس میں پھر فوراً ہی ان دونوں کی حالت پر ترس بھی آنے لگا۔

"میں ہوں نہ سب ٹھیک ہو جائے گا یقین رکھو۔" زویا کی تسلی پر وہ دونوں ہی تملاء تھے۔

"کب ٹھیک ہو جائے گا جب قاضی اپنا کام کر چکا ہو گا۔" احتشام کو تواب بس سوتے جا گئے قاضی کی شکل ہی یاد آتی رہتی تھی۔

"صبر کرو اوتاؤ لے جب شادی کا کارڈ ہاتھ میں لیے لڑکیوں کی طرح کمرہ بند ہوئے پڑے تھے۔ تب تمہارا خون اتنا جوش مارتا نہ تو میں تمہیں دور سے سلام ضرور پیش کرتی مگر اب تم اپنی حرکتوں میں مجھ سے چپیر کھاؤ گے الوساري گیم تباہ کرنے جا رہے تھے۔ ساری باتیں سن لی ہیں میں نے دروازے سے باہر تک آواز آرہی تھی۔ بھاگنے کے پروگرام ترتیب دے رہے تھے۔ تم دونوں حد ہے۔ اور اریشہ تم ہی کچھ خیال کرو اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہو تم سوچا ہے ان پر کیا گزرے گی خدا نے ماں باپ جیسی لازوال نعمت سے نوازا ہے تمہیں اسکا شکر ادا کرو اور ماں باپ کا حق ادا کرو میں یہ نہیں کہہ رہی ان کے حق کے لیے تم اپنا چھوڑ دو لیکن کم از کم راستہ بیچ کا اپناونہ ان کامان ٹوٹے اور نہ ہی تمہارا دل۔" زویا کے لیکھر کو سن کر اریشہ بیڈ پر ڈھنے سی گئی۔

"تو آپ ہی بتائیں نہ بھا بھی آخر میں کیا کروں ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی معجزہ کا انتظار کر لیا حتیٰ کے آج مہندی کا ایونٹ بھی جیسے تیسے گزارنے پر مجبور ہو گئی اب مزید میرے صبر کا اور کتنا امتحان باقی ہے۔" وہ روپڑی تھی۔

"اس خوبصورت دور کا مزہ لو پا گلو لطف اٹھاؤ ان پلوں کو آخر کل بچوں کو سنانے کے لیے لو سٹوری اور لو سٹوری کے درمیان تڑکا تو موجود ہونا چاہیئے اور تم لوگ ہو بستی شکلیں بنائیں کہ بیٹھے ماتم کنائ ہو۔" زویا کی بات پر ان دونوں نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو

"معجزہ اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔ ہونے والی مسز احتشام معجزہ ہو گا ضرور ہو گا بلکہ ہو بھی چکا ہے۔ تمہارا یہ نکھٹو نکما آوارہ بمشکل ہونے والا شوہر جلال احمد کا بھائی ہے۔ اس لیے مجھے پورا یقین تھا۔ اپنی لو سٹوری کی بینڈ بجائے کے سوا اور کوئی کام کا نہیں اس لیے میں نے خود ہی ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے ایک دن جب جناب دن چڑھے تک سکون کی نیند سور ہے تھے۔ میں ان کے کمرے میں داخل ہوئی سامنے ہی ولید کا موبائل چار جنگ پر لگا دکھائی دیا اب ان کی موٹی عقل میں جوبات نہیں سمائی تھی۔ وہ میرے شاطر دماغ میں فوراً مددی میں نے ولید کا موبائل چیک کیا خوش قسمتی کے پاسورڈ موجود نہیں تھا۔"

"اور اس کے اندر سے مجھے ایسا بارود ملا ہے۔ نہ کل جب بلاست پھٹے گانہ تو ہر سو دھواں ہی دھواں ہو گا اور اس دھویں میں ہر کسی کو ایک ہی مسیحاد کھائی دے گا اریشہ کی مسیحائی کے لیے جو صرف اور صرف جلال احمد کا چھوٹا بھائی ہی ہو سکتا ہے۔" زویا نے بی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی مگر وہ بھی آدھی ادھوری۔

"کیا مطلب بھا بھی میں سمجھا نہیں کیا ملا ایسا آپکو ولید کے موالیں میں۔" احتشام نے پوچھا اریشہ کی بھی سوالیہ نظریں اسی پر جمی ہوئیں تھیں۔

"ولید نہ صرف یہ کے پہلے سے شادی شدہ ہے۔ بلکہ اسکا ایک بیٹا بھی ہے۔ اس نے کسی گوری سے لو میرج کی تھی۔ مگر شادی کامیاب نہیں ہو پائی عدالت میں طلاق کا کیس اب تک چل رہا ہے۔ بس میں نے اسکی بیوی کا نمبر نکالا اب تک بڑے ہی پیار سے اس نے سینڈر اکا نمبر مائی وائے کے نام سے سیو کر رکھا ہے۔ میں نے سینڈر اکا کال کی ولید کی شادی کا بتایا اس نے فوراً لٹکٹ کٹائی اور اب اس وقت وہ پاکستان کی سر زمین پر وارد ہو چکی تھی۔ اس کی سوتی یا کھوئی ہوئی محبت ولید کے لیے واپس جاگ اٹھی ہے۔ اور اسے لگتا ہے۔ جیسے وہ ولید کو کھونے سے ڈر گئی ہے۔ ویسے ہی ولید بھی اس سے الگ نہیں ہو پائے گا اب ان دونوں کے درمیان دال کپکے یاد لیے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہمارا راستہ تو صاف ہو گیا بالکل۔" زویا کی زبانی اسکے کارنامے کی کہانی سن کر احتشام اور اریشہ ایک بار پھر سے جی اٹھے تھے۔

"اب چلو نچے اور مقابلہ لڑاؤ دیکھتے ہیں کون زیادہ ناچتا ہے اس خوشی پر۔" زویا نے ان دونوں کا ایک ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر انھیں کھینچ کر اٹھایا اور کچھ ہی دیر کے بعد وہ لان میں لا ڈبھتے گانوں پر باقی بہت سے لوگوں کے ساتھ ناج رہے تھے۔ زویا کو جھلوکوں کی طرح ناچنے دیکھ جلال کو شرمندگی ہونے لگی تو وہ بھی ہلتا جلتا بھیڑ میں داخل ہوا پھر زویا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا انسپتا ایک خاموش کونے میں چلا آیا۔

"پاگل ہو کیوں بیگانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ کی مثال کا منہ بولتا ثبوت بننے پر تملی ہو کچھ میری ہی روپوٹنیشن کا خیال کر لیا کرو۔" ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

ڈانٹ پھٹکار کے سوا اس آدمی کو کچھ نہیں آتا۔ زویا نے اسے دیکھ سوچا۔

"آپ کسی کو خوش کیوں نہیں دیکھ سکتے اسکی۔" شرٹ کا بٹن درست کرتے آتے جاتے نظر پڑتے لوگوں کو گہری سی مسکراہٹ اچھاتے وہ لفظوں کا دبادبا کر بولی تھی۔

"تمہیں خوش ہونا ہے۔ تو وہاں چھیر پر بیٹھ کر ہو یوں ناج ناج کر محلہ اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حکم آچکا تھا۔ زویا کو بحث اب فضول لگنے لگی۔

"اور یہ احتشام وہ بھی تمہارے ساتھ مل کر باولہ ہو گیا ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے یوں ایسے ناچنے کی جیسے اسکی اپنی مہندی کا فنکشن چل رہا ہو اور ناچنے کا کوئی دوسرا موقع پھر کبھی ملنا ہی نہ ہو۔" اب زویا جلال کو کیا بتائی گلا کھنکھار نے لگی۔

"اس کو بھی ٹھیک کروں گا میں فرصت ملتے ہی میری مصروفیت اور آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگا ہے۔ ہر وقت اوٹ

پٹانگ سی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔ بالکل بھی وقت ہی نہیں اس کے پاس بیٹھ کر بات کرنے کا پہلے ہر قسم کا حال احوال دیتا رہتا تھا۔ اب تو نہ یونیورسٹی کی کوئی خبر نہ کسی اور بات کی اطلاع۔ "جلال کو آج ہی ساری فکریں ستاناش رو ہو گئیں تھیں۔

"معدرات کے ساتھ اس سے زیادہ تو آپ مصروف ہوتے ہیں۔ اور آپ سے تو کم ہی بگڑا ہے۔ اچھا خاصہ سلیمانیہ والے کا ہے۔ یہ جا سختی کر کے اپنی طرح سر پھرا بنانے پر تلے ہوئے ہیں آپ اسے۔ "زوپا کو سچ جلال کو ہضم نہیں ہوا تھا۔

"کامیں سر پھر اکھاں سے ہوں ۔"

"یہ پوچھیں کہاں کہاں سے نہیں ہیں خیر اسوقت میں آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔" کہہ کر وہ یہ جاوہ جا۔ جلال گھور کر رہ گیا وہ اڑکی کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس سے اچھی طرح نہیں کامن صوبہ بنایا تھا۔ جلال نے اس دفعہ وہ گھر جلدی چلا گیا تھا۔ زویا بھی تھوڑی ہی دیر بعد احتشام کو کھینچتی کھا چختی پکڑ لائی تھی۔

"تھینک یو سوچ بھا بھی آئے نہ ہو تیں تو اتنا حوصلہ اور میر ایسا شاید مجھے دونوں ہی نہ ملتے۔"

"انفیکٹ میں توجہائی کا شکر یہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انھوں نے آپ کو چنان آپ انھیں نہ ملتیں تو شاید آج مجھے بھی میری محبت نہ ملے یا۔" احتشام کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا۔ زوپانے بس مسکر اہٹ پر اکتفا کیا کمرے میں آئی تو جلال کو اپنا ہی منتظر یا۔

"تم بڑی خوش دکھائی دے رہی ہو۔" اس کے چہرے پر بکھری خوشی کی لالی کو دیکھ کر اس نے پوچھ لپا۔

"تم ملے ہو خوشی تو بنتی ہو آخر کوئی ضروری ہوتا ہے جو آپکی راتوں کی نیند دن کا چین سکون غارت کر کے رکھ دے۔" زویا نے چوٹ کی اور لباس تبدیل کرنے والش روم میں گھس گئی۔

جلال کو اسکے خواخواہ کے نخروں پر بڑا ہی تاؤ آنے لگا تھا۔ مگر وہ اسے نظر انداز بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ جتنے زویا کے مزاج بلند ہو رہے تھے۔ اتنی ہی جلال کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر وہ بھی ٹھان گیا تھا۔ اس نے بھی اس رات زویا سے بات نہیں کی تھی۔ زویا کو اس کی چپ سے عجیب سی بے چینی لاحق ہونے لگی تھی۔ اس سے بات بے بات بحث کرنے کی اسے عادت ہو گئی تھی۔ اب تو جسے نشہ ساٹوٹ رہا تھا۔

اگلے دن صحیح ہی وہ اس سے بنا بات کیے آفس چلا گیا تھا۔ زویا کو جلال نے موبائل لادیا تھا۔ جس کا استعمال گو کہ اس نے اب تک نہیں کیا تھا۔ آج ضرورت پڑھی گئی تھی۔ جلال کو کئی کالز کیس مگر وہ اتنا غصہ جانے کیوں دکھار رہا تھا۔ زویافون کو گھور کر رہ گئی دوسرا طرف جلال زویا کے لے درے لے رخی سسہ کے بھر ابٹھا تھا۔

وہ شام کو گھر ہی نہیں آیا تھا۔ سیدھا، ہی شادی میں شرکت کرنے کا اس نے اماں بی کو فون پر بتایا تھا۔ اول تو اس نے آنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ لیکن پھر زو بانے اماں بی سے کہا تو انھوں نے اسے سمجھا یا تھا۔ دولہا ان کے ہاں رہائشی تھا۔ اسے میں شادی کو

اہمیت نہ دینے غیر مناسب بات تھی۔ تو وہ ماں گیا تھا۔ ویسے بھی آج ولید کی ان کے گھر آخری رات تھی۔ اس کی بھی اسے خوشی تھی۔

بلا وجہ ہی وہ زویا سے فری ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ چاہے وہ شادی کرنے والا تھا۔ مگر کسی بھی مرد پر کوئی بھی مرد اپنی بیوی کو لے کر خواخواہ بھروسہ نہیں کر سکتا پوز یسو ہونا ایک فطری سا عمل تھا۔

زویا ماں بی اور احتشام جب ہوٹل پہنچے تو عجیب ہی منظر ان کا منتظر تھا۔ ہال مہماںوں سے کچھ بھر اہوا تھا۔ کھانا لگ چکا تھا۔ اور اندر میک اپ حال میں ولید کا تحریر شدہ مختصر ساخت ان سب کا منہ چڑا رہا تھا۔

"مگر وہ تو پارلر گیا تھا۔" احتشام کے کان میں سر گوشی کرنے والی زویا تھی۔ انھیں اریشہ نے سب کے سامنے اپنے راز میں شامل کیا تھا۔ زویا کے گلے لگ کر اسے سکھی سیہلی پکار دو آنسو بھی بہایے۔

حمدید صاحب کی پریشانی سے حالت غیر ہور ہی تھی۔

"ماں بی اگر آپ کی اور انکل آنٹی آپ کی بھی اجازت ہو تو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سب جان ہی چکے ہیں ولید شادی شدہ ہے۔ وہ اس شادی کو نہیں پایا تکمیل تک پہنچانے سے عاجز ہے۔ مانا کہ اس نے یہ بات نازک وقت پر بتائی مگر سوچیے کم از کم اس نے صحیح وقت پر بتا تو دیا اچھا ہوا وہ چلا گیا ورنہ تو ہماری اریشہ کی زندگی بر باد ہو جاتی میں تو آپ سب سے بس اتنی گزارش کرنا چاہتی ہوں اب آپ کی عزت رکھنا ضروری ہے۔ یہ کوئی ہمدردی نہیں احسان نہیں بلکہ اریشہ کا ہمارے گھر کی بہون بنا ہمارے لیے اعزاز اور فخر کی بات ہے۔" "زویا کہتے کہتے رکی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو بیٹا کھل کر کہو۔" حمید صاحب کا لرز تاول لفافے کا عنوان بوجھ کر تھمنے لگا تھا۔

"ماں بی میں چاہتی ہوں احتشام کا نکاح آج مقرر کر دہ وقت پر اریشہ سے کر دیا جائے احتشام تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔

"ساتھ ہی اس نے احتشام کو پرفار منس شروع کرنے کا اشارہ کر دیا۔

"جی مجھے اپنی بھا بھی اور ماں بی کا ہر فیصلہ دل و جاں سے قبول ہے۔ ویسے بھی میں حمید انکل اور آنٹی دونوں میں اپنے ماں باپ کی چھوٹی تلاش کرتا ہوں مجھے انکی محبت بھری آغوش مل جائے گی اور انھیں ایک اچھا داماد کم بیٹا زیادہ باقی جو آپ لوگوں کی رضا ہو۔" احتشام نے ہمیشہ کی طرح اور ایکٹنگ کی تھی۔ مگر کام اتنے میں ہی بن چکا تھا۔

ماں بی کو زویا نے کل رات ہی ساری سچائی بتا کر معافی مانگ لی تھی۔ اور انھیں جلال ہی کی طرح احتشام کے بھی کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔

"تو بس حمید میاں آپ مولوی صاحب کو بلوائیے فوراً نکاح کی تیاری شروع کیجئے ہو تو تم جلال کو فون ملاؤ۔" ماں بی کا حکم جاری

ہوا دھر اس پر سب ہی عمل پیرا ہونے لگے کچھ ہی دیر میں قاضی اور گواہ آموجود ہوئے تھے۔ مگر جلال کا نمبر مسلسل بند جارہا تھا۔ تاخیر کی بدولت سب ہی کو بے چینی گھیرنے لگی تھی۔ باہر کھانا لگ چکا تھا۔

"میرے خیال سے نکاح ہو جانا چاہیئے جلال کا کچھ اتنہ پتہ نہیں رخصتی ان کے آنے کے بعد ہی ہو گی مگر ہمیں اور لیٹ نہیں کرنا چاہیئے۔" زویا کی بعد سب کے دل کو لگی تھی۔ اور اگلے پندرہ منٹوں میں زویا کی کوششوں کو کامیاب بناتے ہوئے خدا کے فضل سے اریشہ احتشام کے نکاح میں آچکی تھی۔ وہ اب شرعی اور قانونی میاں بیوی تھے۔ اور ان دونوں کے لیے یہ ایسی انمول خوشی تھی۔ ان کے قدم زمین پر ٹکائے نہیں ٹکتے تھے۔

جلال علاقائی پولیس کی طرح واردات ہو جانے کے بعد تاخیر سے ہی پہنچا تھا۔ اور جس طرح سے زویا کے سو شل ورک کا قصہ مختلف زبانوں سے گزر کر اس تک پہنچا تھا۔ وہ جل ٹکس کر آگ بگولا ہوتا غصے سے تن فن کرتا اس کے سر پر جا پہنچا وہ استیج سے اتری تھی۔ جلال کلائی سے پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے باہر پار کنگ میں آکر رکا تھا۔

"کیا ہوا کیا کر رہے ہیں جلال بات تو سنیں لوگ دیکھ رہے ہیں۔" جیسے الفاظ وہ ہقا بقا سی تمام راستہ اس سے کہتی آئی تھی۔ مگر جلال کے اندر سے آگ کی لپیٹیں اٹھتیں زویا کو جلا ڈالنے کو بالکل تیار تھیں وہاں لا کر ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تو زویا کی کانچ کی چند چوڑیاں ٹوٹ کر کلائی میں چھپ گئیں۔

ایک زخم جلال کے ہاتھ میں بھی آیا تھا۔ مگر وہ سخت جان محسوس ہی کر سکا۔ زویا درد کی ٹیسیوں سے سک اٹھی وہ ایسی ہی تھی۔ کبھی پتھروں سے ٹکر اجانے والی اور کبھی کانچ چھپ جانے پر نیز بہادینے والی تمہاری ہمت کس طرح ہوئی میرے بھائی کی زندگی کو یوں دا اوپر لگانے کی وہ دھاڑا:

"تم اتنی احمق ثابت ہو گی میں نے سوچا نہیں تھا۔ اپنا سو شل ورک تم احتشام کے سرمنڈھ آئی ایک بار سوچا نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔ اسکی زندگی کافیسلہ تھا۔ وہ خود کرتا تمہیں ضرورت کیا تھی۔ اپنے دماغ چلانے کی آخر تماشہ بنادیا سارے سر کل میں ہمارے خاندان کا تم نے اپنی کم عقلی کی بدولت میں پوچھتا ہو تم لگتیں تھیں اسکی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ یوں چکلیوں میں اڑانے والی کیا صرف ایک زبردستی کی بنی ہوئی بھا بھی۔" اسکی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ زویا حقیقت میں ہرٹ ہو رہی تھی جلال کو اسوقت پرواہ نہیں تھی۔ زندگی کو کھیل تماشہ مذاق سمجھنے کی زویا کی عادت ایسے سنگین مراحل تک پہنچ جائے گی اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔

"میری بات سنیں آپ کو صرف وہ سمجھ میں آ رہا ہے۔ جو یہاں موجود لوگ جانتے ہیں۔ میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔" زویا نے چاہا وہ ایک بار اسکی غلط فہمی دور کرے مگر جلال تو اسوقت کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"کیا سنو میں مجھے کچھ نہیں سننا ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ بھی کہنے سے روکا آج تم نے اپنی ساری حدیں پار کر دی ہیں

مڈل کلاس سے ہونے کبھی نہیں بدل سکتیں نہ اپنی ذہنیت نہ ہی اپنا سوکولڈ جہالت آمیز رویہ جو تمہیں کرنا تھا تم کر چکیں اس لیے بہتر ہے۔ اب تم مجھے کوئی بھی صفائی کوئی تاویل پیش کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرو میری نظر وہ سے دور ہو جاؤ ابھی اسی وقت۔ "اسکے رویے میں ایسی سختی پہاڑ تھی۔ زویا کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ کر سکی چھم چھم کر برستے آنسوؤں میں تیزی آچکی تھی۔ وہ وہاں سے بھاگنی ہو کہیں کسی جانب او جھل ہو گئی تھی۔ جلال ضبط سے کھڑا مٹھیاں بھینچتا رہا

وہ ڈرائیور کر رہا تھا۔ احتشام اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جبکہ اماں بی اور اریشہ بیک سیٹ پر موجود تھیں۔ کار میں گھر اسنٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر ذی روح کو گھری چپ لگی ہوئی تھی۔

"بھائی کم از کم ایک بار آپ مجھ سے تو پوچھ لیتے ساری بات کسی کی سنی سنائی باتوں میں آکر آپ نے زویا بھا بھی کو اتناسب کہہ دیا مجھے لیقین ہی نہیں ہو رہا اور اے ان کا تو میں مشکور ہوں وہ نہ ہو تیں تو آج چار چار زندگی بے خبری میں ہی تباہ ہو جاتیں ولید آج بھی اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ زویا نے سینڈر را کو پاکستان بلا یا تھا۔ مگر کسی برے مقصد سے نہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ سینڈر را ایک بار ملی ولید سے ایک بار اس کے سامنے گڑ گڑائی اور ولید اسکے ساتھ کھینچا چلا گیا بیچاری شازیہ آنٹی شرمندگی کی ماری ہی کسی کو منہ نہیں دکھا سکیں مگر غلطی ان کی بھی تھی۔ وہ جانتی تھیں ولید شادی شدہ ہے۔ پھر بھی اسے اریشہ کے ساتھ زبردستی باندھنے پر تسلی ہوئیں تھیں۔ پاکستانی بہولانے کی خواہش نے ان سے سوچنے سمجھنے کی صاحیت ہی چھین لی تھی۔ زویا بھا بھی خانتی تھیں میں ارشی سے محبت کرتا ہوں اسی لیے انہوں نے میرے نکاح کی بات ارشی کے گھروالوں سے کی کوئی زور زبردستی کا فیصلہ نہیں تھا۔ اور پھر ساری حقیقت خود بھی کھول کھول کر اماں بی آپ کے سامنے بیان کر چکی ہیں۔ وہ تو اتنی مہربان اور سمحدار تھیں اماں بی کا دل دکھانے کا خیال ہی انھیں پریشان کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے بنا نتیجہ سوچ اماں بی کو ساری حقیقت خود بتا دی تھی۔ اب پتہ نہیں ناراض ہو کر وہ کہاں چلی گئیں ہیں۔" احتشام کو از حد فکر لاحق ہو رہی تھی زویا کی۔ پریشان تو اماں بی بھی بہت ہوئیں تھیں۔ اسی لیے جلال کو خوب ڈانٹ ڈپٹ بھی کی تھی۔ اور اب ساری سچائی جان لینے کے بعد جلال کے ہاتھوں کے طوطے بھی اڑنے لگے تھے۔ جانے وہ کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اب بھلا اسے کدھر ڈھونڈے گا۔

"مگر وہ مجھے بھی کافی نہیں میں لے کر سب کچھ بتا سکتی تھی۔ سب کو بتایا اس نے مگر ایک مجھے ہی بے خبر رکھا گیا اس نے۔" جذباتی ہو کر سٹیرنگ پر زور سے ہاتھ دے مارا تو یک لخت ہاتھ میں درد کی شدید لہر اٹھنے کے ساتھ ساتھ خون کی لکیر پھوٹ پڑی ہاتھ کو غور سے دیکھا تو زویا کی ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی کرچیاں یاد آئیں کچھ تو اس کے ہاتھ میں چھجھ گئی تھیں۔ اپنے اس سفرا کا نہ رد عمل پر وہ بھر کر نا دم ہوا مگر اب پشمیانی کس کام کی تھی۔ زویا کا تو کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ فخر و غم سے جلال کی آنکھیں سرخ ہو

رہی تھیں۔

"سب کو کو نفیڈ نہیں میں لیا تھا۔ بھا بھی نے مگر آپ پر تو انھیں کافیڈ نہیں تھا۔ پورا پورا ان کے بقول تو آپ دل کے بہت اچھے انسان محبت کی مجبوریوں کو فوراً سمجھ جائیں گے، اللاخوش ہی ہوں گے مگر آپ نے تو بس۔" وہ خاموش ہو گیا۔
جلال اب کیا کہتا بس پل پل فکر بڑھتی جا رہی تھی۔ پتہ نہیں زویا کدھر چل گئی تھی۔

اتنے عرصے میں نہ تو کوئی اس سے ملنے آیا تھا۔ نہ ہی وہ کہیں گئی تھی۔ ورنہ جلال کو تھوڑا بہت آئیڈیا ہی ہو جات کوئی سوراغ تو ملتساب کو گھر ڈراپ کر کے وہ زویا کی تلاش میں نکلا تھا۔ شہر کی سڑکوں پر کتنے ہی گھنٹے مارا مارا پھر تارہا تھا۔ مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

تحک ہار کر وہ واپسی کے راستے پر مڑا تھا۔ مگر سیدھا گھر جانے کے بجائے یوں ہی کسی موڑ پر گاڑی کر کے تھنائی میں زویا کو یاد کرنا اس سے ملاقات کا ایک ایک لمحہ جلال کی زندگی میں امر ہو چکا تھا۔ وہ ہر ایک پل جس میں وہ جلال کے قریب تر تھی۔ کسی فلم کی طرح اس کے دماغ کی سکرین پر چلنے لگا تھا۔ سیٹ کی پشت سے سرٹکائے وہ کتنی ہی دیر آنکھیں موندیں بیٹھا رہا تھا۔

آنکھ کھولی تو جیسے خود کو ایک نئی ہی دنیا میں پایانا امیدی سے نکل کر یقین کا دامن تھاما تو جیسے زندگی کو دوبارہ پالیا زویا اس نظر کے بالکل سامنے بہت دور سرگھٹنوں میں دیئے فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاں وہ اسے بہت دور سے بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ زویا ہی تھی۔ اس نے آج جلال کے ساتھ جا کر خریدا ہوا ہی نیلا جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا۔ جلال گاڑی وہیں چھوڑ کر تیزی سے پیدل ہی اس کے قریب چلا آیا تھا۔

اپنے قریب قدموں کی چاپ سن کر زویا نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ سامنے اسے کھڑا پا کر اس نے چہرہ موڑ لیا تھا۔ جلال کو شدت سے احساس ہوا زویا اسے آج تک چھوڑ کر کیوں نہیں گئی تھی۔ اس کے سوا اس لڑکی کا اور تھا ہی کون جس کے پاس وہ جاتی خدا کے بعد جلال ہی اسکا واحد اور آخری سہارہ تھا۔ آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے جلال اس کے ساتھ اس کے پاس ہی فٹ پاتھ پر چو نکڑی جما کر بیٹھ گیا تھا۔

"تم بہاں ہوا خوری کر رہی ہو اور میں تمہیں شہر بھر میں تلاشتہ پھر رہا ہوں۔" وہ یوں بولا جیسا کچھ ہوا ہی نہ ہو کوئی بات ہی نہ ہو۔

زویا نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تو معدرت کا بورڈ شکل پہ چپا کر سر کھجانے لگا۔

"اچھا سوری غلطی تمہاری بھی ہے۔ تمہیں مجھے بتانا چاہیئے تھا۔ مگر تم تو اسکیلے ہی تیس مارخان بننے چلی تھیں۔ میں نے تو جو دیکھا جو سنا اسی کے مطابق ہی رد عمل ہونا تھا مجھے احساس ہے اپنے رویے کا تم میرے ساتھ گھر چلو بس۔" وہ سنجیدہ سا سکے ہاتھ پر

اپنے ہاتھ سے دباؤ ڈال کر بولا تو زویا نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آپ نے کتنا سخت سست سنایا مجھے اور ویسے بھی آپ کے لیے تواب بھی یہ رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا صرف زبردستی کا ایک سودا ہے۔ غصے میں آکر آپ مجھے گھر تو لے گئے تھے۔ مگر جب آپ کو ہوش آیا تو احساس ہوا کہ میری سنگت ایک مجبوری ہے۔ یہ میں ہی تھی جو پھر بھی زبردستی وہاں ٹکی ہوئی تھی۔ مگر آج آپ نے مجھے اچھی طرح میری حیثیت باور کروادی اب میں جیوں یا مردوں آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" وہ خفا خفا سی لال گلابی رنگت لیے جلال کو اپنے دل سے اور بھی نزدیک لگنے لگی

"یہی تو پر ابلم ہے۔ زویا زبردستی کا یہ بندھن اب میرے لیے بہت اہمیت کا حامل بن چکا ہے۔ میں بہت کم عمر تھا۔ جب ایک پلین کریں میں میرے پیر نٹل گزر گئے احتشام بالکل بچے تھا۔ پاپا کا سارا بز نیس اتھل بچھل ہو کر رہ گیا تھا۔ میں بہت ٹوٹ چکا تھا۔ مگر مجھے اپنے بھائی کی خاطر اپنے محفوظ مستقبل کی خاطر ہمت کا دامن تھا مان پڑا تھا۔ زویا میں بہت اکیلا رہ گیا تھا۔ مگر پھر تم میں اور سب بدل گیا تمہارے آتے ہی میری زندگی میں جیسے رونق لوٹ آئی ہے۔ ساتھ رہتے رہتے سمجھ میں آیا ہے۔ زندگی کیا ہوتی ہے۔ پیار کیا ہوتا ہے کون سالم ہے تھا۔ میں نہیں جانتا مگر تمہاری جانب میرا دل کھینچتا رہا ہمیشہ اور ایک دن وہ کشش محبت کا روپ دھار گئی تم میری زندگی کا سب سے اہم حصہ بن گئی ہو۔" زویا وہ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اس آنکھوں میں دیکھ کر نظر وہ ہی میں جذبے لٹاتا اسکی اہمیت کا یقین دلا رہا تھا۔

"تمہیں یقین نہیں آ رہا۔؟" زویا کی آنکھوں سے ٹپکتی بے یقین کو دیکھ کر وہ اپنی جیب ٹوٹنے لگا پینٹ کی پاکٹ سی ایک چھوٹی ہی مخلی ڈبیا بر آمد کر کے وہ اٹھ کر کھڑا ہوا پھر اس کے رو برو گھٹنوں کے بل سڑک پر ٹک سا گیا۔

"زویا کیا تم ہمیشہ عمر بھر کے لیے پورے دل سے میرے ساتھ زندگی گزارو گی۔" کہتے ساتھ ہی اس نے مخل کی ڈبیا کا منہ کھول دیا اندر سے جگمگ کرتی ہیروں کی انگوٹھی زویا کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔

وہ بات بے بات رونے والی لڑکی نہیں تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے اہمیت محبت چاہت سب رنگ ایک ساتھ ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے تو ہفت اکلیم کی دولت بھی اس جذبے سے کم ہی ہوتی۔

ایک آنسو پلکوں کی باڑ لائیں کراس کر کے گلابی خوشی سے دمکتے رخسار پر بہہ نکلا تو جلال نے اپنی انگلی کی پوروں سے اسکا اشک مٹایا زویا نے مسکرا کر ہاتھ اس کے سامنے کیا تو جلال نے انگوٹھی اسکے باعین ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی۔

"بہت پیاری ہے۔" زویا نے تعریف کی۔

"ہاں اب پیاری لگ رہی ہے۔" وہ پھر سے اس کے برابر اجماع ہوا۔

"ویسے مسز تم تو کافی فلمی ہونا۔" وہ ٹھوڑی پرانگی رگڑتا پتا نہیں کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں مگر کیوں۔" زویانے سوالیہ حیرت سے اسے دیکھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی وہ انگوٹھی پر گھمارہی تھی۔

"نہیں وہ ایسی سیجپویشن میں گلے لگنے کا سین ہوتا ہے۔" شرارت سے کہہ کروہ ہنسنے لگا زویانے اسے ٹیڑھی آنکھ کر کے گھور کے دیکھا پھر کچھ سوچ کر بانہیں پھیلائیں گویا اسے اشارہ کر رہی ہو۔

"اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں۔" جلال جھٹ پٹ اس کی بانہوں کا ہار ہوا آدھی رات کو وہ اسی سنسان سڑک پر بیٹھے ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے تھے۔ جہاں ٹھیک وہ پہلی بار ملے تھے۔

جلال نے اپنی گرفت مزید مضبوط کر لی تھی۔ اور بھی کس کراسے بانہوں میں بھر لیا تو زویانے شرم کر منہ اسی کے سینے میں چھپا لیا

"ویسے ایک بات صاف صاف بتادوں میں آپ کو آئندہ اگر آپ نے مجھے مڈل کلاس ہونے کا طعنہ دیا نہ تو چھوڑوں گی نہیں میں آپکو کہتے ہیں تعلیم انسان کا زیور ہوتا ہے۔ اور میں نے خیر سے ایم۔ ایس۔ سی کر کھی ہے۔ وہ بھی بائیو میں اور تو اور پوری یونیورسٹی میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی۔ اوت آپ تو شکل سے ہی بی۔ اے پاس لگتے ہیں وہ بھی تھرڈ ڈیویژن میں۔" کچھ دیر بعد اسکا طنزیاً آنے پر وہ منہ بناؤ کر بولی تھی۔ جلال اس کی بات پر ہنس دیا۔
"ہنسے کیوں آپ۔" اس کی شرط کے بٹن سے کھیلتے ہوئے اسے نیا اعتراض ہوا۔

"بس یاد آگیا ایم۔ بی۔ اے میں میں نے اپنی یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔" ایک اور نئے انشاف پر زویا صبر کا گھونٹ بھر کر ہی رہ گئی

"لاحول ولا قوت آج کل کی نوجوان نسل کیسی بے غیرت ہو گئی ہے۔ نہ اپنی شرم نہ دوسروں کا لحاظ آدھی رات کو سڑک پر عاشقی معاشرتی کرتے ہو کون ہو تم؟۔" ان کی پشت پر ایک پاٹ دار آواز گونجی تو وہ دونوں ایک دم ہی ایک دوسرے سے جدا ہوتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سامنے ہی اسکے نکاح کا باعث بننے والا پویس انسپکٹر کھڑا تھا۔ جلال نے اسے فوراً پہچان لیا تھا۔ وہ صورت ان چند چہروں میں سے تھی۔ جنہیں جلال اپنی زندگی میں کبھی نہیں بھلا سکتا تھا۔

"آپ۔" زویانے بھی غالباً اسے پہچان لیا تھا۔

"بیڑا غرق تم تو وہی دونوں ہو لیلی مجنوں کیا ہوا دھر کیا کر رہے ہو ہیں گھروں نے نکال باہر کیا ہے کیا تم دونوں کو مگروہ بھی کیا کریں ایسے کرتوت کرو گے عزت خراب کرو گے تو وہ تو یہی کریں گے نا۔" اسے خود سے مفروضے گھر لینے کی عادت پکی کپی

تحقیقی۔ جلال کو اسی دن اندازہ ہو گیا تھا۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں وہ تو میں ان سے ناراض ہو کر یہاں آگئی تھی۔ یہ تو منانے آئے تھے۔"

"آپ کو پتہ نہیں انسپکٹر صاحب یہ کتنے بڑے آدمی ہیں آپ کو بھی کبھی کوئی کام ہو تو ان سے ضرور کہیے گا ایک منٹ۔" انھیں آفر کر کے رکنے کا کہہ کر زویانے جلال کی سامنے والی جیب سے اسکا والٹ نکالا اس میں موجود جلال کا ویزٹنگ کارڈ انسپکٹر کے حوالے کیا تو کارڈ پر لکھا۔

جلال احمد کا نام پڑھ کر اس کی آنکھیں پھیلیں اور پھر پھیلتی چلی گئیں۔

"آپ وہ ہی والے جلال احمد آفندی ہیں۔ شہر کے بہت بڑے بزنس میں۔" پولیس والے کا تواہجہ ہی بدلتا تھا۔

"جی اب اگر اجازت ہو تو ہم جائیں۔" وہ اپنا والٹ زویا سے تقریباً چھیننے ہوئے اپنی جیب میں واپس اٹھتے ہوئے بولا۔

"جی جی جائیں بس تھوڑا اپنی بیوی کا خیال رکھیے گا میری بہنوں جیسی ہے۔" اس نے کہا تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے خدا حافظ پیچھے سے اس نے آواز دی تو زویانے بھی پلٹ کر اسے الوداعی اشارے کا ہاتھ ہلا دیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے چلتے ہوئے آنے والی زندگی کی نئی ڈگر پر گامزن تھے۔ چند آج ادھورا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اب پورے ہو چکے تھے۔



ختم شد

آپ کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔